مختصر
سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف:

ڈاکٹر خالد بن حامد بن مبارک الحازمی

(سابق پروفیسر جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)

ترجمہ:

سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

(جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ لَّقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٞ لِّمَن كَانَ يَرۡجُواْ ٱللَّهَ وَٱلۡيَوۡمَ ٱلۡأٓخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرٗا ٢١ ﴾ [سورة الأحزاب: ٢١].

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے' ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کی یاد کرتا ہے۔

تمہید

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحابته أجمعين.

نبی ﷺ کی سیرت طیبہ کی حیثیت شریعت اسلامیہ کے عملی پیرہن کی ہے، ہمارے نبی محمد ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی شریعت کے عملی نمونے پیش کئے، آپ کی سیرت مراد الہی کی عملی تطبیق تھی۔

یقینی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب تک اس روئے زمین پر زندگی اور نوع انسانی کا وجود باقی رہے گا تب تک مسلم نسل کی تربیت کے لئے سیرت رسول ﷺ کی ضرورت بھی باقی رہے گی، جس کا تقاضہ ہے کہ آپ کی سیرت کو ایسی شکل وصورت میں پیش کیا جائے جو نونہالان امت کی کم سنی کے لئے موزوں، ان کے انداز فکر کے لئے مناسب اور ان کے دائرہ آگہی کے موافق ہو۔

نیز ایک بنیادی اور ضروری چیز یہ بھی ہے کہ ایسے ڈھانچے پر ان کی تربیت کی جائے جس سے ان کے اندر نبی ﷺ کی محبت اور پیروی کا جذبہ پروان چڑھے، اسی طرح سیرت نبوی کے مضامین اور مشتملات سے اثر قبول کرنا بھی سیرت نبوی پڑھنے پڑھانے کا ایک تربیتی مقصد ہے۔

اسی کے زیر نظر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے جس کا مقصد سیرت نبوی کی تعلیم کے ذریعہ معرفت وآگہی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اہداف کو بروئے عمل لانا ہے جس کے ذریعہ نئی نسل کے ذہن ودل میں صحیح عقیدہ اور عبادت کی بجاآوری میں اتباع رسول ﷺ کی بنیاد پڑے، ان کے اندر اللہ اور

رسول اللہ ﷺ کی محبت راسخ ہوتی چلی جائے اور علمی و عملی ہر سطح پر مکارم اخلاق سے ان کی وابستگی بڑھتی جائے۔

والدین یا ان کے علاوہ جو بھی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے لئے اس کتاب کے منہج میں اقدار وروایات کو نئی نسل کے ذہن میں راسخ کرنے اور ان کی عملی تربیت میں حصہ داری نبھانے کا موقع فراہم کیا گیا ہے جیسا کہ آپ کو حاشئے میں جابجا اس کی وضاحت ملے گی۔

اے اللہ ! اپنے نبی محمد ﷺ کی اس عطر بیز سیرت کی تالیف میں میری مدد فرما اور اسے اس طرح پیش کرنے کا مجھے قابل بنادے جس سے اس کا بہترین مقصد بلکہ اس سے بھی بہتر اہداف پورے ہوسکیں، اے دونوں جہاں کے پالنہار !اس عمل کو تو صرف اپنی رضا کے لئے خالص کر، اس سے اپنے بندوں کو نفع پہنچا اور قیامت تک کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنادے، اے عظیم وکریم تو اسے اپنے جود وکرم سے قبول فرمالے۔

۵/۹/۱۴۳۳ھ

پہلا باب:
ولادت سے بعثت تک

آپ ﷺ کی ولادت:

١- آپ ﷺ کی جائے پیدائش:

استاد: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور نشو ونما مکہ مکرمہ میں عام بچوں کی طرح ہی ہوئی ، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کی خاص نگرانی حاصل رہی جیسا کہ آپ کو روئے زمین پر چلنے والے سب سے افضل اور اجمل بچے کی اس خوبصورت اور دلکش سیرت سے اس کا بخوبی اندازہ ہو گا۔

شاگرد: استاد محترم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت جاننے کا شوق ہمارے اندر بڑھ چکا ہے، آپ بغیر کسی تاخیر کے ہمیں تفصیل کے ساتھ آپ کی سیرت سے آگاہ کرنے کی زحمت کریں۔

استاد: میرے بچو! میں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے آپ کو باخبر کرنے کے لئے بے تاب ہوں.....اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام گوشے نہایت دلکش ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں مکہ مکرمہ کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی، مکہ مکرمہ اس وقت ایک چھوٹی سی بستی تھی جہاں کوئی کھیت کھلیان تک نہ تھا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ﴿رَّبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ ﴿٣٧﴾﴾ [سورة إبراهيم:٣٧].

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔

لیکن وہاں اللہ کے فضل سے ہر جگہ سے رزق پہنچا کرتا تھا اس لئے کہ مکہ کے باشندے تجارت کے لئے گرمی کے موسم میں شام کا سفر کرتے اور وہاں سے مختلف قسم کے سامان تجارت لایا کرتے تھے، پھر

موسم سرما میں وہ لوگ یمن کا سفر کرتے اور وہاں سے بھی تجارت کے مختلف اشیاء لے کر آتے، اسی طرح مکہ کے لوگوں کا اس زمانے میں گزر بسر ہوا کرتا تھا[1]۔

شاگرد: استاد! کیا اس وقت حرم موجود تھا؟

استاد: ہاں، اس وقت بھی کعبہ موجود تھا اس لئے کہ کعبہ کی تعمیر اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن میں اس کی وضاحت فرمائی ہے: ﴿وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ وَإِسۡمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ١٢٧﴾ [سورة البقرة:۱۲۷].

ترجمہ: ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

شاگرد: کیا اس وقت بھی لوگ حج کے لئے جایا کرتے تھے جس طرح آج آتے ہیں؟

استاد: بہت خوب میرے بچو! لوگ اس وقت بھی حج بیت اللہ اور کعبہ کے طواف کے لئے جایا کرتے تھے اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کر

---

[1] بہتر ہوگا کہ استاد گرمی اور ٹھنڈی کے موسم کے اسفار کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بچوں کو بتائیں اور اس سے متعلق قرآن کریم میں ذکر کردہ اشارات سے بھی انہیں باخبر کریں۔

یں جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے : ﴿وَأَذِّن فِي ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَجِّ يَأۡتُوكَ رِجَالٗا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٖ يَأۡتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٖ ٢٧﴾ [سورۃ الحج:٢٧].

ترجمہ: اور لوگوں میں حج کی منادی کردے لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔

یعنی وہ حج بیت اللہ کے شوق سے سرشار ہو کر پاپیادہ بھی اور اونٹ کی سواری پر بھی تمام دور دراز علاقے اور خطے سے آئیں گے۔

شاگرد: مکہ ، اس کی تاریخ اور ابراہیم علیہ السلام کا مکہ اور حج سے جو تعلق ہے اسے جان کر ہمیں کافی فائدہ ہوا۔ استاد گرامی! اللہ آپ کو بہتر اجر سے نوازے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی کیا تفاصیل ہیں؟ ہم یہ سننے کے مشتاق ہیں[1]۔

استاد: میرے بچو! آپ نے اچھا سوال کیا۔ میں پہلے آپ کو مکہ مکرمہ کے بارے میں بتا چکا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں ہمارے نبی اور اسوہ و قائد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش کے بارے میں ایک تصور پیدا ہو سکے۔

٢- نبی ﷺ کی تاریخ پیدائش:

[1] اس درس میں استاد یا مربی کو چاہئے کہ بچوں کو ضروری معلومات فراہم کریں اور مکہ کی قدیم تصاویر کے ذریعہ مکہ کے ماضی اور تاریخ سے انہیں مطلع کریں۔

استاد: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو عام الفیل میں ہوئی[(۱)]۔

شاگرد: استاد گرامی قدر! کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ ہمیں ربیع الأول کے بارے میں بتادیتے کہ اس سے کیا مراد ہے؟

استاد: بہتر خوب میرے شاگردو۔ اس سوال سے پتہ چلتاہے کہ آپ میری بات کو توجہ اور دھیان سے سنتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ آپ کے اندر طلب علم کی چاہت ہے، بہت بہتر۔

ایک سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، پہلا مہینہ محرم کہلاتاہے، پھر صفر کا مہینہ آتاہے اور تیسرا مہینہ ربیع الاول ہے جس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، اس کے بعد ربیع الآخر، پھر جماد الأول، پھر جماد الآخر، پھر رجب، پھر شعبان اور اس کے بعد رمضان آتاہے جو کہ روزے کا مہینہ ہے، اس کے بعد شوال کا مہینہ آتاہے جس میں ہم عید مناتے ہیں، پھر ذو القعدہ اور آخری ماہ ذو الحجہ ہے جس میں لوگ حج کا فریضہ اداکرتے ہیں، مکہ مکرمہ جاتے اور منی، عرفہ اور مزدلفہ جیسے مشاعر مقدسہ پر حج کے ارکان اورواجبات ادا کرتے ہیں، ذو الحجہ سال کا آخری مہینہ ہے ، اور ہر مہینہ میں تیس دن ہوتے ہیں[(۲)]۔

---

(۱) مسلم: (۲/ ۸۲۰) حدیث نمبر: (۱۱۶۲-۱۹۸) أکرم ضیاء العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: (۱/ ۹۸-۹۶)

(۲) بہتر ہوگا کہ استاد مہینوں کے بارے میں بچوں کو مزید جانکاری فراہم کریں اور سوال وجواب کے ذریعہ ان مہینوں کے نام یاد کرانے کی کوشش کریں۔

شاگرد: بہت بہتر استاد محترم۔ آپ نے ہمیں بڑے فائدے کی بات بتائی۔ لیکن عام الفیل کیا ہے؟ میں سمجھ نہیں پایا؟

استاد: یہ ایک بڑا اور پر لطف قصہ ہے جسے میں آپ کے سامنے اختصار کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔

حبشہ نامی ایک ملک میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام ابرہہ تھا، اس کے پاس ایک جگہ تھی جہاں لوگ حج کی طرح جوق در جوق جایا کرتے تھے، لیکن بہت سے لوگ اس کے اس مقام پر جانے کے بجائے حج کے لئے مکہ چلے جاتے تھے۔

چنانچہ اس ظالم بادشاہ نے سوچا کہ کعبہ کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے تاکہ وہاں کسی کے آنے کی گنجائش ہی نہ باقی رہے اور سب لوگ اس کے ملک کا سفر کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

کعبہ کے بارے میں آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ اسے اللہ تبارک وتعالی کے حکم سے اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی، اسی لئے ہم اسے بیت اللہ، حرم اور کعبہ جیسے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

ہاتھیوں کے جھنڈ اور لوگوں کی ایک لشکر کے ساتھ یہ بادشاہ کعبہ ڈھانے کی غرض سے نکل پڑا اور جب مکہ سے قریب پہنچا تو اہل مکہ اس لشکر اور ہاتھیوں کے اس جھنڈ کو دیکھ کر ڈر گئے کیوں کہ مکہ میں ہاتھی نام کی کوئی چیز نہ تھی اور ان میں سے بیشتر لوگ ہاتھی سے واقف تک نہ تھے اس لئے کہ اس وقت ٹیوی چینلز اور میڈیا کا وجود نہ تھا کہ ہاتھیوں کی تصویریں نشر کی جاتیں[1]۔

---

[1] استاد بچوں کے سامنے اس پر مزید روشنی ڈالیں کہ اس وقت لوگوں کے کیا حالات تھے اور یہ کہ وہ جدید ٹکنالوجی سے ناآشنا تھے'ان کے پاس ان میوہ جات اور حیوانوں کی جانکاریاں بھی نہ تھیں جو ان کے ملک میں نہ پائے جاتے تھے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کعبہ کے خادم تھے، وہ اہل مکہ کی سرداری بھی کرتے تھے، لوگ اس معاملے میں غور وفکر کرنے کے لئے ان کے پاس یکجا ہوئے۔ عبد المطلب نے کہا: ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن بیت (کعبہ) کا ایک رب اور مالک ہے جو ضرور اس کی حفاظت کرے گا۔

ہوا بھی یہی کہ اللہ تعالی نے اپنی قوت وقدرت سے ابرہہ کی لشکر پر پتھر برسانے کے لئے بہت سے پرندوں کو بھیج دیا، پتھر انسان کے سر پر گرتا اور اس کے سرین سے نکلتا۔ اس طرح اللہ تعالی نے انہیں ہلاک وبرباد کر دیا۔ اللہ تعالی نے اس واقعہ کو قرآن کے اندر سورۃ الفیل میں یوں ذکر فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَٰبِ ٱلْفِيلِ ۝١ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝٢ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝٣ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝٥﴾ [سورۃ الفیل:١-٥].

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دئے جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم۔ اللہ نہایت عظیم قدرت وطاقت والا ہے استاد محترم۔

کیوں کہ اس وقت حمل ونقل نہایت مشکل تھا۔ اس لئے ابھی جو نعمتیں فراہم ہیں ان پر ہمیں اللہ کی حمد وستائش بیان کرنی چاہئے۔

استاد: ہاں میرے بچو! اللہ کی قدرت بہت بڑی اور تم سب کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ غور کرو کہ اللہ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو ہلاک کرکے کس طرح ظلم اور ظالموں کو سزا سے دوچار کیا، اللہ ایسے ہی لالچ کی سزا دیتا ہے، ابرہہ نے باطل اور ناجائز طریقے سے لوگوں کو اپنے ملک میں جمع کرنے کی حرص اور لالچ کی جس پر اللہ نے اسے اس سزا سے دوچار فرمایا۔

یہ بھی غور کرو کہ اللہ نے کمزوروں کی کس طرح مدد فرمایا، دشمنوں کے مقابلہ میں اہل مکہ کا ساتھ دیا، کس طرح عبد المطلب نے اپنے رب سے مدد طلب کی اور رب نے ان کی مدد فرمائی، انہوں نے کہا کہ: (کعبہ کا ایک رب ہے جو ضرور اس کی حفاظت کرے گا)، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بزرگ وبرتر مالک کے تئیں مضبوط عقیدہ رکھتے تھے۔

شاگرد: تب تو ہمارے اوپر بھی واجب ہے کہ جب ہم اپنے رب سے دعا کریں اور کچھ طلب کریں تو یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ ضرور ہماری دعا سنے گا اور ہماری ضرورت پوری کرے گا۔

استاد: ہاں میرے بچو۔ ہمارے عقیدہ کا یہ اہم حصہ ہے کہ ہم دل سے یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ ہماری دعا کو سنتا ہے، خواہ ہماری دعائیں پوری ہوں یا نہ ہوں، اس لئے کہ جتنا ہم خود اپنی ذات اور مصلحتوں کے بارے میں جانتے ہیں، اللہ تعالی اس سے کہیں زیادہ یہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے کون سی چیز زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم لوگوں پر ظلم کرنے سے بچیں اور ان کے پاس جو بھی نعمت اور دولت ہے اس پر بری نظر نہ رکھیں۔ کیوں کہ اس سے بربادی کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اللہ تعالی ظلم وسرکشی اور لالچ کرنے والوں کو سزا سے دوچار کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ اور حرم کی اپنی عظمت اور حرمت ہے ، اس کے آداب کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے، بلکہ ہمیں اپنے گھروں سے زیادہ اس کی تعظیم اور احترام کا خیال رکھنا چاہئے[١]۔

نبی محمد ﷺ کا نسب نامہ:

استاد: آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہیں ، اور آپ کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب ہے[٢]۔

آپ کے والدین قریشی قبیلہ سے تھے، حسب نسب میں یہ قبیلہ عرب کا سب سے افضل اور اشرف قبیلہ مانا جاتا تھا۔

قبیلہ قریش کا سب سے افضل خانوادہ بنو ہاشم تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔

قریش کا نسب نامہ اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے جنھوں نے کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد کی مدد کی جیسا کہ گزشتہ سبق میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

شاگرد: یہ اللہ تعالی کا بڑا فضل ہے کہ اللہ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے شریف خانوادے میں پیدا فرمایا اور آپ کا سلسلہ نسب ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام سے جوڑ دیا۔

---

[١] استاد مختلف مثالوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ کی عظمت بیان کر سکتے ہیں، کچھ ایسی مثالیں بھی پیش کر سکتے ہیں جن سے مکہ کی خصوصی نظافت اور احترام کا گوشہ واضح ہو سکے اور بیع وشراء جیسے معاملات میں مکہ کے اندر کسی کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرنے کا درس ملے۔

[٢] ابن حجر، فتح الباري: (١٤/ ٢٣٠)

ہمارے نبی محمد ﷺ کی یتیمی:

استاد: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یتیم پیدا ہوئے کیوں کہ جب آپ رحم مادر ہی میں تھے تبھی آپ کے والد عبد اللہ اس دنیا سے کوچ کر گئے یعنی کہ آپ کے والد آپ کو دیکھ نہ سکے۔

پرانے زمانے میں عربوں میں رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شیر خوارگی کے لئے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ وہ جسمانی بیماریوں سے محفوظ رہیں اور دیہاتی فضا میں رہ کر ان کے اندر جسمانی قوت وطاقت پیدا ہو، اس لئے کہ دیہاتی ماحول میں کسی قدر خشونت اور قوت پائی جاتی ہے، اسی طرح وہ دیہات میں رہ کر عملی مشاقی کے ذریعہ زبان بھی سیکھ لیتے تھے، اسی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حلیمہ بنت اًبو ذؤیب اپنے گھر لے گئی اور آپ کو اپنا دودھ پلائی[1]۔

شاگرد: یہ ایک اچھی بات ہے کہ ہم عربوں کے قدیم عادات کے بارے میں جانیں اور بدوی بچوں کے اندر پائی جانے والی صفات سے آگاہ رہیں۔

استاد: بالکل درست میرے بچو، جس طرح شہری بچوں کے اندر کچھ خاص اوصاف ہوتے ہیں جو انہیں دیہاتی بچوں سے ممتاز کرتے ہیں اسی طرح بدوی بچوں کے اندر بھی کچھ نمایاں صفات پائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے، اسی لئے صرف ماحول اور آب وہوا مختلف ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کو کم نہیں آنکنا چاہئے اور نہ کسی کو حقیر سمجھنا چاہئے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/۱۶۹)

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ یہ عورت بڑی خوش قسمت تھی کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف ہاتھ آگیا۔

استاد: میرے بچو آپ نے ایک خوبصورت اور دلآویز نتیجہ اخذ کیا، اس سے آپ کی توجہ اور سمجھ بوجھ کا اندازہ ہوتا ہے، یقینا اس عورت کو بڑی بھلائیاں نصیب ہوئیں۔

شاگرد: شاید آپ ہمیں ان کے بارے میں کچھ بتانے والے ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس عورت کے ساتھ کیا پیش آیا۔

استاد: بہت خوب: ان کا بیٹا بھوک کی شدت سے بلک رہا تھا، لیکن اس خاتون کے تھن دودھ سے خالی تھے، جیسے ہی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں آپ کو دودھ پلانے کے لئے گود لی، ان کے تھن میں اتنا دودھ ہونے لگا کہ ان کا بیٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں شکم سیر ہو جاتے۔

ان کے پاس ایک عمر دراز گدہا تھا جو کہ نہایت لاغر اور کمزور تھا، جیسے ہی وہ خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لی، اس سواری کے اندر قوت بھر آئی اور پورے جوش وخروش کے ساتھ مسافت طے کرنے لگی[1]۔

شاگرد: یقینا ہمارے نبی ﷺ کا بچپن بابرکت تھا۔

[1] مہدی رزق اللہ، احمد، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ: (۱۱۶-۱۱۵)

استاد: میرے بچو آپ نے سہی کہا۔ بے شک ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن برکت اور رب تعالی کی توجہ وعنایت سے بھرپور تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں دائی حلیمہ کو جو برکتیں ملیں ان سے پتہ چلتاہے کہ رب تعالی کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ومرتبہ تھا، اسی لئے ہمارے دلوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت راسخ ہونی چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتاہے کہ اللہ تعالی بڑامہربان، علم والا اور حکمت والا ہے، اللہ جسے محبوب رکھتا اور چن لیتاہے اسے اپنی خاص نگرانی میں رکھتاہے، اس لئے ہمیں عظمت اور قدرت والے اپنے رب کی رضاکے لئے عمل کرناچاہیئے تاکہ ہمیں بھی اللہ کی محبت حاصل ہو، جب اللہ ہمیں محبوب رکھنے لگے گاتو ہمیں بھی اپنی خاص نگہبانی میں رکھے گا اور ہمیں اپنی توفیق، ہدایت اور حفاظت سے نوازے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے حدیث قدسی میں فرمایاہے کہ:

ترجمہ: (میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتاہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتاہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتاہوں تو اس کا کان بن جاتاہوں جس سے وہ سنتاہے اور اس کی آنکھ بن جاتاہوں جس سے وہ دیکھتاہے اوراس کا ہاتھ بن جاتاہوں جس سے وہ پکڑتاہے اور

اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے اپنی پناہ میں رکھتا ہوں[۱] ....)[۲]

شاگرد: یہ بڑی خوبصورت اور دلکش بات ہے! شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں پر برکتیں نازل ہونے کی وجہ یہ ہو کہ وہ یتیموں کا زیادہ خیال رکھتی رہی ہوں۔

استاد: یہ ایک دلچسپ استنتاج ہے میرے بچو۔ بات ایسی ہی ہے کہ جو یتیموں کا خیال رکھتا ہے، اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک اس کا بڑا مقام ومرتبہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے شہادت اور درمیان کی دو انگلیوں سے اشارہ کیا)[۳] یہ ایک عظیم رتبہ اور بڑا اجر ہے۔

اس لئے ہمیں بھی یتیموں سے محبت رکھنا چاہئے، ان کی عظمت اور تکریم کرنی چاہئے، انہیں حقیر نہیں جاننا چاہئے اور نہ ان کی شان میں کوئی کمی آنے دینا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی نظر میں زیادہ اچھے اور زیادہ محترم ہوں۔ بلکہ ہمیں ان کا احترام کرنا چاہئے، ان سے محبت رکھنا چاہئے، ان کی مدد کرنا چاہئے اور ان کی بہتری اور سعادت کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

---

[۱] استاد کو تفصیلی شرح کے لئے فتح الباری کا مراجعہ کرنا چاہئے تاکہ حدیث کا معنی ومفہوم پورے طور پر ان کے سامنے واضح رہے جس کے بارے میں طلبہ ان سے سوال بھی کر سکتے ہیں۔

[۲] بخاری: (۱۹۲:۴) حدیث نمبر: (۶۵۰۲)

[۳] بخاری: (۴/ ۹۲) حدیث نمبر: (۶۰۰۵) ترمذی: (۴/ ۲۸۳) حدیث نمبر: (۱۹۱۸) اور مذکورہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

شاگرد: استاد محترم !ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کے بارے میں بھی کچھ بتایئے۔

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب آپ سے بہت محبت کرتی اور آپ کا خیال رکھا کرتی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی چھ سال کے ہی تھے کہ آپ کی والدہ وفات پا گئیں[1]۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم، یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی زندگی ماں باپ سے محرومی میں گزری؟۔

استاد: ہاں، جب آپ کی والدہ فوت ہو گئیں تو ماں باپ کے بنا ہی آپ نے ساری زندگی گزاری۔

میرے بچو! یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی ہر ایک چیز کا مالک ہے، وہی مدبر ہے اور تمام چیزوں سے واقف وباخبر ہے۔ہر چند کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کے نزدیک ایک خاص مقام ومرتبہ تھا اس کے باوجود اللہ نے اپنی خاص حکمتوں کے سبب آپ کو یتیم پیدا فرمایا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے بندے کے لئے کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیز مقدر کرتا ہے تو اس کے اندر کوئی نہ کوئی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے، اگر چہ وہ ہمارے ادراک سے اوجھل رہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ رب اس بندہ سے ناراض ہے، بلکہ بسا اوقات وہی چیز اس کے لئے عین رحمت ہو سکتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالی ہی حقیقت حال سے باخبر ہے، ہم اس سے نابلد ہوتے ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ بندہ کے لئے کیا بہتر اور کون سی چیز زیادہ مناسب ہے۔

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (۴/۵۵۹)

ہو سکتا ہے کہ یتیمی کی زندگی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے اختیار فرمایا تھا، اس سے آپ کے اندر ایسی مہارتیں پیدا ہوئی ہوں جو نبوت ورسالت اور دعوت کے مشن کو پورا کرنے میں آپ کے لئے معاون ثابت ہوئی ہوں۔

شاگرد: مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی زندگی میں بھی ہمارے لئے بہت سی نصیحتیں اور بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں، اس میں جہاں اللہ کی نگہبانی اور رب کی برکت ونوازش کا تذکرہ ہے، وہیں ابتلاء وآزمائش اور وعظ ونصیحت کے پہلو بھی ہیں۔ استاد گرامی! مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی زندگی بہت پیاری لگنے لگی ہے۔

دادا عبد المطلب کی کفالت میں:

استاد: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ کی نگہ داشت اور تربیت کی ذمہ داری آپ کے دادا عبد المطلب نے اپنے سر لے لی۔

عبد المطلب اپنی قوم کے سردار تھے، ان کی خاص کرسی تھی جس پہ ان کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا، کعبہ کے سایہ میں بھی ان کے لئے قالین بچھایا جاتا تھا جس پر ان کے ارد گرد ان کے لڑکے جمع ہوا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے ہمراہ بیٹھتے۔

اللہ تعالی نے دادا عبد المطلب کے دل میں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبت ڈال دی تھی جس کی وجہ سے وہ آپ کا بے حد خیال رکھتے، آپ کو اپنے قریب بٹھاتے اور جب آپ سو رہے ہوتے تو کسی کو بھی آپ کے پاس نہیں جانے دیتے[1]۔

شاگرد: آپ کے دادا کی جانب سے آپ کو حد درجہ محبت اور پیار ملا، عبد المطلب آپ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے کیوں کہ وہ اپنے کسی بیٹے کو اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے بلکہ صرف آپ کو بٹھاتے۔

استاد: ہاں، تمہاری بات بالکل سہی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے دل میں یہ محبت کس نے ڈالی؟

شاگرد: اللہ تعالی نے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/۲۲۳)

استاد: یقیناً اللہ تعالی نے ہی آپ کے دادا عبد المطلب کے دل میں اتنی عظیم محبت پیدا کر دی، جب کوئی بندہ اللہ کی نظر میں محبوب بن جاتا ہے تو اللہ اس کے لئے خیر و بھلائی کے اسباب مسخر کر دیتا ہے، اس لئے عبد المطلب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرنے سے ہمیں یہ فائدہ معلوم ہو تا ہے کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہر طرح کی بادشاہی ہے، وہی دلوں کا مالک اور محبتوں کا بادشاہ ہے، جیسے چاہتا ہے دلوں کو پھیرتا اور محبتیں تقسیم کر تا ہے، جب ہم اللہ کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ ہمیں اپنی محبت اور توفیق سے نوازتا ہے، اور لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دیتا ہے، جیسا کے حدیث میں آیا ہے: (اللہ تعالی جب کسی بندہ سے محبت کر تا ہے تو جبرئیل سے کہتا ہے کہ فلاں شخص سے میں محبت کرتا ہوں تو تم بھی اس سے محبت رکھو، پھر جبرئیل فرشتوں میں یہ اعلان کر تا ہے کہ: اللہ تعالی فلاں شخص سے محبت کر تا ہے تو تم بھی اس سے محبت رکھو، چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے)[1]۔

شاگرد: یہ ایک بڑی بات ہے، جس سے ہمارے اندر اللہ تعالی کی محبت حاصل کرنے اور رب کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا جذبہ پیدا ہو تا ہے۔

چچا ابو طالب کی کفالت:

---

[1] بخاری: (۲/۴۲۴) حدیث نمبر: (۳۲۰۹)

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی وفات کے دو سال کے بعد آپ کے دادا بھی اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں، دادا کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال ہوتی ہے، دادا کے گزر جانے کے بعد آپ کے چچا عبد المطلب آپ کی تربیت اور سرپرستی کا ذمہ اپنے کندھے پر لیتے ہیں۔

شاگرد: سبحان اللہ، یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے لئے کسی آزمائش سے کم نہیں۔

استاد: ہاں یہ ایک آزمائش ضرور تھی لیکن اس میں اللہ تعالی کی مہربانی اور رحمت بھی پوشیدہ تھی کہ اللہ نے اس واقعہ کے ذریعہ امت محمدیہ کو یہ تعلیم دی کہ آزمائش کا ہمیشہ یہی مطلب نہیں ہوتا کہ اللہ ناراض ہے، بلکہ بسا اوقات ابتلاء وآزمائش میں اللہ کی رحمت اور حکمت بھی نہاں ہوتی ہے جس سے ہم اپنی جہالت اور اللہ تعالی کے وسیع علم، جو دنیا کی ہر ایک چیز کو محیط ہے، کے مقابلے میں اپنی کم علمی کی وجہ سے نابلد ہوتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس آزمائش میں یہ حکمت پوشیدہ رکھی ہو گئی ہو کہ اس سے آپ کو یہ تربیت ملے کہ دعوت الہی کی راہ میں پیش آنے والی پریشانیوں کا مقابلہ پوری قوت اور ہمت کے ساتھ کیسے کرنا ہے، کیوں کہ آپ نے دعوت کی راہ میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کیا جن کی تفصیل آنے والی ہے ان شاء اللہ۔

شاگرد: استاد گرامی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے آپ کی نگہداشت کیسے کی؟ وہ بھی آپ کے دادا کی طرح آپ کا خیال رکھتے رہے ہوں گے۔

استاد: ہاں، آپ کے چچا ابو طالب بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے، اس لئے انہوں نے پوری محبت وشفقت اور انتہائی توجہ اور عنایت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔

ابو طالب اس وقت تک نہیں سوتے جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پہلو میں نہ ہوتے، کہیں جاتے تو آپ کو ساتھ لے جاتے، آپ کے کھانے کا خاص خیال رکھتے، آپ جب تک نہ آتے تب تک کھانے کے لئے نہ بیٹھتے، وہ آپ کا پورا خیال رکھتے اور آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے[١]۔

شاگرد: بہت پیاری اور عمدہ باتیں آپ نے بتائی، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خانوادہ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کو پوری محبت، مکمل نگہداشت اور بے حد توجہ اور عنایت حاصل ہوئی۔

استاد: بالیقین آپ بہترین خاندان کے چشم وچراغ تھے، اس لئے کہ اللہ نے اپنے نبی کو عرب کے سب سے معزز گھرانے میں پیدا فرمایا تھا۔ ہونا بھی یہی چاہئے کہ مختلف خاندان کے لوگ آپس میں انس ومحبت کا رشتہ رکھیں، ایک دوسرے کا خیال کریں، باہمی تعاون کا ماحول ہو جیسا کہ ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے[٢]۔

عملی زندگی:

استاد: وقت کے ساتھ ساتھ چچا ابو طالب کی اس پدرانہ نگہبانی اور تربیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان ہوگئے، دوسرے نوجوانوں کی طرح آپ کو بھی محنت اور جاں فشانی کی زندگی پسند تھی۔

---

[١] ابن سعد' الطبقات الکبری:(١/ ١٢٠-١١٩)

[٢] اس موقع پر استاد کو چاہئے کہ طلبہ کے سامنے کچھ نمونوں اور مثالوں کی روشنی میں یہ بتائیں کہ آپسی تعاون' خاندانی الفت ومحبت اور سماجی میل ملاپ کے کیا فائدے ہیں اور ہماری عائلی' انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان چیزوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپ نے اجرت اور مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چَرائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا انہوں نے بکریاں چرائی، صحابہ کرام نے عرض کیا: آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں بھی چند قیراط کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا)[۱]۔

شاگرد: سبحان اللہ! تمام انبیاء کرام نے بکریاں چرائی؟

استاد: شاید تم کو اس کی حکمت جان کر تعجب بھی ہو گا؟ میں تمہیں اس کی حکمت بتاتا ہوں ان شاء اللہ۔

بکریوں کے اندر فطری طور پر کچھ اچھی صفات پائی جاتی ہیں، ان کی طبیعت میں نرمی و محبت اور سکون و اطمنان کی خو پائی جاتی ہے، ان کی غلہ بانی کے لئے حکمت و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے کھانے اور پینے کے لئے مناسب زمین اختیار کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ جی بھر کر چر سکیں اور سیراب ہو سکیں، انہیں درندوں سے بچا کر رکھنا پڑتا ہے تاکہ وہ ان کی اذیت سے اور ان کے شکار بننے سے بچ سکیں۔ اسی طرح رسول کو بھی یہ جاننے کی ضرورت پڑتی ہے کہ اپنی امت کو دشمنوں سے کیسے محفوظ رکھیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت کی مناسب اور بہتر چیزیں اختیار کریں، انہیں ان تمام چیزوں سے روکیں جن میں ان کی جانوں کے لئے، ان کی زندگی اور آخرت کے لئے کسی طرح کا نقصان ہو سکتا ہو، انہیں معلوم ہوتا ہے کہ امت کو انتشار وافتراق سے بچا کر کیسے متحد رکھا جائے، بعینہ اسی طرح جس طرح ایک چرواہا یہ مہارت رکھتا ہے کہ جب کوئی بکری چرتے چرتے ریوڑ سے بچھڑ جائے تو اسے کیسے ریوڑ میں شامل کیا جائے۔

ہر رسول کو بکری چرانے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ کیسے حکمت و دانائی اور بہتر تدبیر اور سرپرستی کے ساتھ اپنی قوم اور امت کی قیادت کریں۔

---

[۱] بخاری: (۲/ ۱۳۰) حدیث نمبر: (۲٦٦۲)

شاگرد: استاد گرامی! ہر ایک چیز میں اللہ کی کمال حکمت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ہم چونکہ اس سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے ہم ان حکمتوں کے بارے میں نہیں سوچتے اور غور نہیں کرتے۔ استاد گرامی! آپ نے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں بتاکر ہمارے عقل کے دریچے کھول دئے۔

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا تواضع بھی نمایاں ہوتا ہے کیوں کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ: میں یہ کام نہیں کروں گا۔ بلکہ مجھے کوئی دوسرا کام کرنا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سیکھ ملتی ہے کہ انسان کو متواضع رہنا چاہئے اور رب کی جانب سے جو کام بھی مقدر ہو اسے کرنے میں کترانا نہیں چاہئے۔

ایک دوسرا کام بھی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، وہ ہے تجارت، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مابین اپنی امانت داری اور راست گوئی کی وجہ سے جانے جاتے تھے، آپ نے کبھی کسی کے ساتھ خیانت نہیں کی، معاملہ چاہے جو بھی ہو آپ نے جھوٹ بولنا گوارہ نہیں کیا۔

خدیجہ نام کی ایک خاتون تھی، ان کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلتا تھا، وہ بھروسہ مند لوگوں سے اپنی تجارت میں مدد لیتی تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کی تجارت کی غرض سے ان کے ایک غلام کے ساتھ ملک شام کا سفر کریں، اور انہوں نے یہ عدہ کیا کہ وہ دوسروں کو جتنی اجرت دیتی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کو دے گی کیوں کہ آپ صداقت، اخلاص اور راست گوئی کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز تھے[1]۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (١/١٩٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان کے غلام کے ساتھ ان کا مالِ تجارت لے کر ملک شام کو نکل گئے۔

شاگرد: استاد محترم !اس واقعہ سے ہمیں یہ سیکھ ملتی ہے کہ امانت داری اور راست گوئی، تجارت اور کاروباری معاملات میں نہایت اہم عناصر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

استاد: بہت خوب میرے بچو! آپ کی صداقت اور امانت ہی تھی جس کی وجہ سے حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ ان کی تجارت کے لئے آپ شام کا سفر کریں، جب ہم اس صفت سے متصف ہوتے ہیں تو اللہ تعالی ہمیں اپنا محبوب بنالیتا ہے اور لوگ بھی ہم سے محبت کرنے لگتے ہیں، ہمیں زندگی میں کامیابی ملتی ہے اور کاروبار و تجارت اور فلاح وکامرانی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ہر ایک کام میں صداقت وراست گوئی اور امانت ووفاداری کو لازم پکڑیں۔

آپ ﷺ کی شادی: استاد: آپ سب جان چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے لئے تجارت کا کام انجام دیا اور یہ کہ آپ صادق وامین اور مخلص ووفاشعار تھے جس کی وجہ سے حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیجا[١]۔

شاگرد: استاد محترم! کیا آپ ہمیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کچھ اوصاف بتا سکتے ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح وہ بھی بلند اخلاق کی حامل تھیں؟

---

[١] ابن حجر، فتح الباری: (٧/ ١٣٤)

استاد: خوبصورت اور عمدہ سوال، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک معزز اور محترم خاتون تھی، اپنی قوم میں پاک دامن خاتون کے نام سے جانی جاتی تھی، اس لئے کہ صدق ووفا اور امانت داری جیسی خوبصورت صفات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، ساتھ ہی آپ ایک مالدار اور نہایت عقلمند خاتون بھی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ان سے شادی کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی تھی۔

ان سے آپ کو کچھ بیٹے اور بیٹیاں بھی اللہ نے نوازا جو کہ یہ ہیں:

قاسم، ان سے آپ کی کنیت ابو القاسم پڑی۔

زینب: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بڑی صاحبزادی تھی، ان کی شادی خالہ زاد بھن ابو العاص بن الربیع سے ہوئی۔

رقیہ: یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہوئیں۔

ام کلثوم: رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی شادی بھی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

فاطمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہا کی زوجہ محترمہ۔

عبد اللہ: جن کو طیب اور طاہر کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔[۱]

---

[۱] ابن ہشام ’السیرۃ النبویۃ(۱/۲۰۲)ابن سعد ’الطبقات الکبری:(۸/۳۹-۱۹)

حلف الفضول:

استاد: لوگوں کے درمیان بسا اوقات ظلم وتعدی کے واقعات رونما ہو جایا کرتے ہیں، بہ طور خاص زمانہ جاہلیت میں ایسا ہونا عام سی بات تھی، کیوں کہ اس معاشرہ میں جہالت کا دور دورہ تھا، قریش کے کچھ قبیلے ایک حلف اور اتفاق کے لئے جمع ہوئے جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا، اس اجتماع میں انہوں نے یہ حلف لیا کہ مکہ کے اندر جس پر بھی ظلم ہوگا وہ اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلا کر رہیں گے خواہ وہ مکہ کا اصلی باشندہ ہو یا باہر سے آکر یہاں مقیم ہو گیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حلف میں بنفس نفیس شریک تھے۔

شاگرد: یہ تو بڑا اچھا معاہدہ ہے کہ کمزور اور مظلوم کی مدد کی جائے۔

استاد: ہاں، در اصل یہ حق کی نصرت وفتح اور باطل کی شکست کا معاہدہ تھا، نبوت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے اس حلف کا ذکر کیا کرتے تھے اور بتاتے کہ آپ بھی اس حلف میں شریک ہوئے تھے اور یہ کہ اس حلف میں آپ کی شرکت آپ کی نظر میں ان قیمتی اونٹنیوں سے بھی زیادہ محبوب تھی جنہیں (حمر النعم) کہا جاتا ہے، آپ یہ بھی کہتے کہ اگر اسلام میں بھی آپ سے اس طرح کے حلف کا مطالبہ کیا گیا تو آپ اس کی حامی بھرنے میں کوئی تامل نہیں کریں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظلم اور ظالموں کو قطعا ناپسند کرتے تھے، اور آپ نے کبھی کسی پر ظلم کیا بھی نہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: (میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں

حلف کے اندر شریک ہوا تھا، یہ حلف میرے لئے قیمتی اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، اگر اسلام میں بھی مجھ سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو مجھے قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہوگا)[1]۔

ہمیں بھی ظلم کو ناپسند اور اس سے نفرت کرنی چاہیئے، ہمیں ساتھی، دوست، رشتہ دار اور دوسرے تمام لوگوں پر ظلم وتعدی کرنے سے گریز کرنا چاہیئے، کسی کو بھی ظلم کی اجازت نہیں دینی چاہیئے، مظلوم کا ساتھ دینا چاہیئے اور اسے حق دلانے کے لئے اس کی مدد کرنی چاہیئے، ظلم کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور اس پر سزا مرتب کی ہے، حدیث قدسی میں آیا ہے کہ: (میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کر دیا ہے اس لئے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)۔

شاگرد: یہ بڑے بلند اخلاق ہیں، ہمیں انہیں اپنانا چاہیئے، لیکن حدیث میں (حمر النعم) کا ذکر آیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

استاد: اس سے مراد سب سے قیمتی اور نفیس قسم کی اونٹنی ہے۔

تعمیر کعبہ:

استاد: میرے بچو! کیا آپ تعمیر کعبہ کی تاریخ سے واقف ہیں؟

شاگرد: استاد محترم! ہمیں اس کے بارے میں بہت تھوڑی جانکاری ہے، جتنا ہم نے پہلے آپ سے سنا ہے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (۱/ ۱۴۲-۱۴۱)

استاد: سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی جیسا کہ ہم اس کا ذکر چکے ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل نے بھی اس تعمیر میں ان کا تعاون کیا۔ یہ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ہوا تھا جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ وَإِسۡمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ١٢٧﴾ [سورة البقرة:۱۲۷].

ترجمہ: ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

مرور زمانہ کے ساتھ کعبہ کی عمارت ڈھانے لگی۔ قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کرنی چاہیئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال تھی[1]۔

جب کعبہ کی تعمیر حجر اسود تک پہنچی تو ان کے درمیان اس بات میں اختلاف ہو گیا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا شرف کسے ملے، ان میں سے ہر ایک شخص اس شرف سے فیض یاب ہونے کا متمنی تھا۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ وہ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے مقام ومرتبہ سے خوب واقف تھے۔

استاد: ہاں وہ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے لئے آپس میں لڑ پڑے۔ اگر وہ زمانہ جاہلیت میں کعبہ کی تعظیم کرتے تھے تو ہمیں بدرجہ اولی اس کی تعظیم کرنا چاہیئے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اسے باعظمت قرار دیا ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں نے اس

---

[1] ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ (۱/ ۲۵-۲۴)

کا احترام اور تعظیم کی ہے، اللہ کے نزدیک کعبہ کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب ابرہہ حبشی کے لشکر نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس لشکر کو غارت و برباد کر دیا جیسا کہ آپ اس کی تفصیل جان چکے ہیں۔

شاگرد: جب حجر اسود کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تو انہوں نے کیسے فیصلہ کیا؟

استاد: انہوں نے یہ فیصلہ لیا کہ جو شخص سب سے پہلے اس جگہ پر آئے گا وہی ہمارا حاکم اور فیصل قرار پائے گا۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر وہ بول پڑے: امین آگیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ سے فیصلہ طلب کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے پر حجر اسود کو رکھا، اس کے بعد قبیلے کے سرداروں کو بلایا اور سبھوں نے مل کر چاروں طرف سے اس کپڑے کو پکڑا اور سب اس کو اٹھانے میں شریک ہوئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی جگہ پر نصب فرمایا[1]۔

شاگرد: حدیث میں فج کا لفظ آیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

استاد: فج کے معنی ہوتے ہیں کشادہ اور واضح راستہ۔

شاگرد: استاد محترم! یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکیم و دانا اور توفیق یافتہ انسان تھے۔

---

[1] احمد، المسند: (٣/٤٢٥)

استاد: بالکل، آپ حکمت، اصابت رائے اور توفیق الٰہی سے بہرہ مند تھے، اللہ تعالی نے آپ کو اس طرح کی عمدہ فکر سے نوازا جس کی وجہ سے قریش کا اختلاف باہمی اتفاق میں تبدیل ہو گیا۔

شاگرد: استاد گرامی! حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ: امین آگیا، وہ آپ کو امین کیوں کہتے تھے؟

استاد: بہت خوب، میرے ممتاز شاگردو! یہ ایک نہایت دقیق سوال ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پوری یکسوئی کے ساتھ سنتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا ہر ایک فرد آپ کو امین کے نام سے جانتا تھا، وہ آپ کو امین کہ کر پکارتے تھے، اس لئے کہ آپ سچے اور امانت دار تھے، آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ بد خلقی سے پیش آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم راست گو اور تمام اخلاق عالیہ سے متصف تھے۔

ہمیں بھی امانت اور اخلاق کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہئے تاکہ ہمیں بھی لوگ محبوب رکھیں اور اللہ کی توفیق اور محبت سے ہم فیض یاب ہو سکیں، کیوں کہ اللہ مکارم اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔[۱]

---

[۱] استاد یا مربی زندگی کے عام معاملات میں برتی جانے والی امانت داری کی کچھ مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

دوسرا باب:
بعثت سے ہجرت تک

بعثت نبوی:

شاگرد: استاد محترم! بعثت نبوی سے کیا مراد ہے؟

استاد: اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے رسالت کے لئے منتخب فرماتا ہے، پھر ان پر اپنے اوامر واحکام کی وحی کرتا ہے، یعنی ان پر وحی کا نزول ہونے لگتا ہے، بہ لفظ دیگر اللہ تعالی رسول کے پاس فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو انہیں حکم الہی کی خبر دیتے ہیں، مثال کے طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیجئے، ان کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے اور حکم الہی سے باخبر فرماتے تھے[٢٦]۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ نبی سے ہم کلام ہوتے ہیں لیکن نبی اللہ تعالی کو دیکھ نہیں پاتے، مثلاً موسی علیہ السلام، اللہ تبارک وتعالی نے ان سے کلام فرمایا، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾﴾ [سورة النساء:١٦٤].

ترجمہ: اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے، اور موسی علیہ السلام سے اللہ تعالی نے صاف طور پر کلام کیا۔

جب اللہ تعالی کسی بندے کو چن لیتا اور ان پر رسالت نازل فرماتا ہے تو وہ رسول کہلاتے ہیں۔ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جبرئیل وحی لے کر تشریف لائے تو آپ رسول قرار پائے، اسی کو

---

[٢٦] اگر طالب علم کو ضرورت ہو تو استاد اس کی مزید وضاحت کرسکتے ہیں۔

بعثت نبویہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو رسالت سے سرفراز فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ نبی بنے، کیا اب آپ کو بعثت نبویہ کا معنی معلوم ہو گیا؟

شاگرد: ہاں ہمیں بعثت نبویہ کا مطلب سمجھ میں آ گیا۔ لیکن جبرئیل علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیسے آئے؟

استاد: اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نہیں آئے تھے تب تک آپ نبی نہیں ہوئے تھے، آپ کی نبوت اس وقت سے شروع ہوئی جب آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جارہی ہے۔

وحی کے نزول سے پہلے نبوت کے کچھ مقدمات بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل جو خواب دیکھتے تھے وہ سچ ثابت ہوتا تھا، پھر اس کے بعد تنہائی آپ کو محبوب ہو گئی، آپ لوگوں سے دور تنہائی میں رہنا پسند کرنے لگے، آپ غار حراء کو تشریف لے جاتے اور وہاں کئی راتوں تک عبادت میں لگے رہتے، پھر اپنے گھر والوں کے پاس آتے اور زاد و توشہ لے کر واپس چلے جاتے[۲۷]۔ جب آپ چالیس سال کے ہو گئے تو آپ پر وحی نازل ہوئی اور جبرئیل تشریف لائے۔

شاگرد: غار حراء کہاں واقع ہے؟

---

[۲۷] بخاری: (۱/۱۵-۱۴) حدیث نمبر: (۳)

استاد: مکہ مکرمہ کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام حراء ہے، اس کی چوٹی پر ایک بڑا سا غار ہے جسے غار حراء کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے دور واقع تھا، کیوں کہ اس وقت ان کی تعداد بہت کم تھی، لیکن آج چونکہ آبادی بڑھ گئی ہے اس لئے پہاڑ کے ارد گرد بھی گھر بنے ہوئے ہیں۔

شاگرد: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا؟

استاد: جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: پڑھو، آپ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ یہ اس لئے کہا کہ آپ امی تھے، پڑھنے لکھنے سے واقف نہ تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں: (حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا اور زور سے دابا اور خوب دابا جس کی وجہ سے مجھ کو بہت تکلیف ہوئی[٢٨]۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ: پڑھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا کہ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں[٢٩]۔ اس نے مجھے ایسا دابا کہ میں بے قابو ہو گیا، یا انہوں نے اپنا زور ختم کر دیا اور پھر چھوڑ کر اس نے مجھ سے کہا کہ: پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے)[٣٠]۔ اس طرح سے وحی کا آغاز ہوا۔

شاگرد: یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حادثہ سے خوف زدہ ہو گئے؟ آپ نے اس کے بعد کیا کیا؟

---

[٢٨] یعنی کہ آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے اپنے سینے سے لگا کر زور سے دبایا یہاں تک کہ آپ کی سانس رک گئی پھر اس کے بعد آپ کو چھوڑ دیا۔ (فتح الباری، ابن حجر: ١/ ٢٤)

[٢٩] یعنی کہ میں ٹھیک سے پڑھ نہیں سکتا۔ سابق مرجع

[٣٠] بخاری: (١/ ١٥-١٤) حدیث نمبر: (٣)

استاد: ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف لاحق ہو گیا تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: (پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو آپ کے مونڈھوں کے گوشت (ڈر کے مارے) پھڑک رہے تھے۔ جب گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو فرمایا کہ مجھے چادر اڑھا دو، مجھے چادر اڑھادو، چنانچہ آپ کو چادر اڑھادی گئی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف دور ہو گیا تو فرمایا کہ خدیجہ میرا کیا حال ہو گیا ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سارا حال بیان کیا)۔

شاگرد: زملونی (مجھے چادر اڑھادو) سے کیا مراد ہے؟

استاد: اس کا مطلب ہے: مجھے کمبل اڑھادو، میرے اوپر لحاف ڈال دو، آپ نے ایسا اس لئے کہا تا کہ آپ کا خوف ختم ہو سکے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پورا واقعہ سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وحی کا نزول اور جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا تھا وہ کوئی آسان سی چیز نہیں تھی، بلکہ وہ ایک بڑی چیز تھی، لیکن اس کا ثواب بھی اسی طرح عظیم تھا، اس لئے کہ جب اللہ تعالی ہمیں کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور ہم اللہ کی رضا کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو اللہ ہمیں اس پر بڑے اجر وثواب سے نوازتا ہے، اس لئے ہمیں اس عظیم دین کی فکر کرنی چاہئے اور اسے بہتر انداز میں اپنانا اور برتنا چاہئے۔

شاگرد: استاد محترم! اللہ آپ کو بہتر اجر سے نوازے۔ اس وقت حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیا؟

استاد: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک دانش مند اور ذی عقل خاتون تھی، وہ اپنے شوہر سے بخوبی واقف تھی اور جانتی تھی کہ آپ ایک محترم، نیک، سچے اور امانت دار انسان ہیں، اور جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں اللہ اس کے ساتھ کچھ برا نہیں کر سکتا، بلکہ ایسے شخص کو اللہ ہر طرح کی بھلائی اور بڑائی سے نوازے گا، اس لئے خدیجہ نے اپنے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: (اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، آپ خوش رہئیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، بات سچی بولتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کی داد رسی کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں)[۳۱]۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات بہت خوبصورت اور عمدہ ہیں، لیکن میں ان میں سے کچھ اوصاف کا مطلب نہیں سمجھ سکا؟

استاد: بالکل یہ سارے اوصاف خوبصورت اور مکارم اخلاق کے نمونے ہیں، جس کے اندر یہ اوصاف موجود ہوں اللہ اسے ضرور عزت اور دنیا بھر کی بھلائی سے سرفراز کرے گا۔ (آپ صلہ رحمی کرتے ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو تحفے تحائف دیتے، ان سے ملاقات کے لئے جاتے اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ (ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنا کام خود نہیں کر سکتا آپ اس کی مدد کرتے ہیں۔ (غریبوں کی داد رسی کرتے ہیں) اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ فقیر ولاچار انسان کے کام آتے ہیں، لوگوں کو ہر وہ چیز دیتے ہیں جو آپ کے پاس ہو اور دوسروں کے پاس نہ ہو۔

---

[۳۱] سابق مرجع

(مہمان نوازی کرتے ہیں) اس سے مراد یہ ہے کہ مہمان کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آتے اور ان کے بہتر طعام و قیام کا خیال رکھتے ہیں۔ (اور حق کی وجہ سے پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھلائی کے ہر کام میں مدد کرتے اور ہر حاجت مند کے کام آتے ہیں ۔یہ ایک ایسا جملہ ہے جس میں گزشتہ تمام جملوں کا معنی پیوست ہے اور جو خوبیاں ذکر نہیں کی گئی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں [۳۲]۔

شاگرد: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوا ہوگا۔

استاد: ہاں، یقینا، اس لئے کہ جو انسان بھلائی کے کام کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ خوف زدہ کرنے والا کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو اس وقت اپنی بھلی اور اچھی خوبیوں کو یاد کرکے اسے دلی اطمیان اور اندرونی سکون حاصل ہوتا ہے، اور اللہ تعالی اچھے کام کا بدلا اس سے بھی اچھا دیتا ہے۔

پھر آپ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں جو ایک دیندار آدمی تھے، اس وقت بہت بوڑھے ہوگئے تھے اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ ان سے خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری صورت حال بیان کی، جس پر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ: یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ

---

[۳۲] ابن حجر، فتح الباری: (۱/۲۵-۲۴)

السلام پر آیا تھا۔ ناموس کے معنی راز داں کے ہوتے ہیں[۳۳]۔یعنی یہ وہی راز داں فرشتہ ہے جو اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔

اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یقین ہو گیا کہ آپ کے پاس آنے والے کوئی اور نہیں بلکہ ایک فرشتہ حضرت جبر ئیل تھے جنہیں اللہ نے آپ کے پاس نبوت اور رسالت لے کر بھیجا تھا۔

شاگرد: حضرت جبر ئیل علیہ السلام کے بارے میں بتائیں کہ کیا وہ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ لوٹ کر آئے ؟

استاد: ہاں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ جاری رہا، کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت جبر ئیل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور آپ کو اللہ تعالی کی وحی پہنچائی اور اس آیت کا نزول ہوا:
﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۝١ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝٢﴾ [سورۃ المدثر:۱-۲].

ترجمہ: اے کپڑا اوڑھنے والے، کھڑے ہو جا اور ڈرادے۔

شاگرد: استاد گرامی! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا لکھنا تو جانتے نہیں تھے تو جبر ئیل جو وحی لے کر آتے تھے آپ اسے کیسے یاد رکھتے تھے ؟

استاد: بہت خوب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن سے تم بے حد محبت رکھتے ہو، ان کی سیرت سے متعلق تمہارے یہ سوال بڑے گہرے اور باریک ہیں۔

شاگرد: یقیناہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے ہیں، اپنی جانوں سے بھی زیادہ۔

---

[۳۳] سابق مرجع

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی کا نزول ہوتا تو آپ اپنے لبوں کو ہلاتے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے، آپ جلد از جلد وحی کو یاد کرنا چاہتے کیوں کہ وحی اللہ تبارک وتعالی کا کلام ہے۔ لیکن اللہ تعالی حکمت والا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز واقع ہو کر رہتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وحی کو یاد کرنے میں اپنے آپ کو نہ تھکائیں۔ بلکہ اللہ تعالی وحی کو آپ کے سینے میں جمع کر دے گا اور وہ آپ کے صدر اطہر میں محفوظ ہو جائے گی۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾﴾ [سورة القيامة:١٦-١٧].

ترجمہ: اے نبی آپ قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس کا جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی: ہم اسے آپ کے سینے میں جمع کر دیں گے اور آپ اسے آسانی سے پڑھ سکیں گے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف یہ تھا کہ آپ وحی کو سنیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ ﴿١٩﴾﴾ [سورة القيامة:١٨-١٩].

ترجمہ: ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمے ہے۔

یعنی آپ اسے بہ غور سنیں۔ اس لئے جب جبرئیل آتے تو آپ وحی سماعت فرماتے تھے۔ اور ان کے جانے کے بعد اسی طرح دہراتے تھے جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس پڑھ کر جاتے تھے۔ اور اس طرح وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں محفوظ ہو جاتی۔

شاگرد: اللہ تعالی کتنا عظیم اور کریم ہے، اللہ نے آپ کے دل کو ایسا بنادیا کہ حضرت جبرئیل قرآن پڑھتے اور وہ آپ کے سینے میں محفوظ ہو جاتا۔

استاد: یقینا اللہ کی ذات کریم اور عظیم ہے اور اللہ پاک ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے ہم جب قرآن کریم حفظ کرنا چاہیں یا کوئی بھی علم حاصل کرنے کا ارادہ کریں تو اللہ سے حفظ و فہم کی مدد مانگیں، جب ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہو گی تو ہمارے لئے ہر چیز آسان ہو جائے گی۔ ہمیں ہر معاملہ میں ہمیشہ اللہ سے اعانت طلب کرنی چاہئے، ہم کامیابی میں اللہ سے مدد مانگیں، بیماریوں سے شفایابی کے لئے رب سے مدد کی التجاء کریں، اس کے علاوہ ہمیں جس چیز کی بھی ضرورت ہو ہم اللہ سے دعا کریں اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کا سوال کریں، کیوں کہ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

دعوت کا پہلا مرحلہ:

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مختلف مراحل ہیں، پہلے مرحلہ میں آپ نے اپنی قوم کے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی، پھر قوم کے دیگر لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، اس کے بعد تمام لوگوں میں دعوت حق کا اعلان کیا۔

شاگرد: استاد محترم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اتنے مراحل کیوں تھے؟

استاد: آپ نے اچھا سوال کیا! آپ کی دعوت اتنے مراحل میں اس لئے بٹی ہوئی تھی کیوں کہ دعوت کا یہ مشن صرف لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر دینے سے پورا نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ کچھ لوگ اپنی نادانی یا غرور و نخوت یا حسد یا دوسرے اسباب کی بنا پر آپ کی دعوت پر آواز اٹھا سکتے تھے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عداوت بڑھ جاتی۔ اسی طرح اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی دعوت مکہ کے باشندوں کے لئے ایک نئی چیز تھی اس لئے ضروری تھا کہ یہ دعوت مختلف مراحل سے گزرے: ایک مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ ہو یہاں تک کہ کامیابی کا سفر تمام ہو سکے۔

شاگرد: بہت عمدہ، گویا اہم امور کی انجام دہی کے لئے انہیں مراحل میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

استاد: بالکل درست، آپ لوگ مدرسہ میں پہلی جماعت میں پڑھتے ہیں، اس کے بعد دوسری پھر تیسری جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور اس طرح آگے بڑھتے جاتے ہیں، مرحلہ وار پہلے متوسطہ کی تعلیم مکمل کرتے ہیں پھر ثانویہ میں پہنچتے ہیں، کوئی انسان ان تمام مراحل کو کسی ایک ہی مرحلہ میں مکمل نہیں کر سکتا، اس لئے ہمیں اپنے مقاصد کے حصول اور مشن کی تکمیل کے لئے تدرج کو بہ طور وسیلہ اپنانا چاہئے۔

شاگرد: استاد محترم! اللہ آپ کو بہتر اجر سے نوازے۔ ہمیں دعوتی مراحل کی اہمیت سے واقفیت مل گئی، اور ہم یہ جان چکے ہیں کہ دعوت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اسے مختلف مرحلوں میں منقسم رکھا جائے، استاد گرامی! اب ہم دعوت نبوی کے پہلے مرحلہ کے بارے میں ذرا تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ طور پر اپنے رشتہ داروں کو دعوت دینا شروع کیا، اللہ فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۝١ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝٢﴾ [سورۃ المدثر: ۱-۲].

اے کپڑا اوڑھنے والے، کھڑے ہو جا اور ڈرا۔

اس دعوت کے نتیجے میں سب سے پہلے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ، آپ کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب جو کہ ابھی کم سن تھے، آپ کے غلام زید بن حارثہ اور آپ کے دوست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا[۳۴]۔

اس مبارک جماعت کی کوششوں سے دوسرے لوگ بھی اسلام میں داخل ہونے لگے، یہ حضرات اس ڈر سے خفیہ انداز میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے کہ کہیں اس دین سے عداوت رکھنے والے ان کے دشمن نہ بن جائیں، تین سالوں تک یہ مرحلہ جاری رہا[۳۵]۔

جنوں کا اسلام قبول کرنا:

استاد: اللہ تعالی کی بہت سے مخلوقات ہیں، ان میں سے جن بھی ایک مخلوق ہے جن کی تعداد بے شمار ہے، ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہ ہمیں دیکھتے، ہماری باتیں سنتے اور ہم پر نظر رکھتے ہیں، ان میں سے کچھ نیک صالح تو کچھ برے اور فساد پسند بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالی خود ان کی زبانی ان کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَأَنَّا مِنَّا ٱلصَّـٰلِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَٰلِكَۖ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾﴾ [سورۃ الجن:۱۱].

---

[۳۴] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (۱/۲۶۸-۲۶۲) خالد بن حامد الحازمی، الفوائد السنیۃ من السیرۃ النبویۃ (۳۸)

[۳۵] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ (۱/۲۸۸)

ترجمہ: اور یہ کہ بے شک بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوتے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی امامت کر رہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کی تلاوت سنی اور اپنی قوم کے پاس جاکر انہیں اس کی خبر دی، اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اس واقعہ کو اللہ تعالی نے ایسی سورت میں بیان فرمایا ہے جس کا نام ان کے نام پر ہی رکھا گیا ہے، وہ ہے سورۃ الجن، اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾﴾ [سورۃ الجن:١-٢].

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا۔ ہم اس پر ایمان لا چکے اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔

شاگرد: اس آیت میں (قددا) سے کیا مراد ہے؟ جو کہ مذکورہ آیت کے اخیر میں وارد ہوا ہے۔

استاد: قددا کے معنی مختلف اجناس کے ہوتے ہیں، مثال کے طور پر انسان، انسان مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اسی طرح جنوں میں بھی مختلف قسمیں ہیں، ان میں کچھ شیاطین بھی ہیں جن سے اللہ نے ہمیں پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی لئے ہم "أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

شاگرد: جنوں کی دنیا ایک عجیب وغریب دنیا ہوگی؟

استاد: اللہ تعالی کی مخلوقات بہت زیادہ ہیں، ان میں سے کچھ تو ہمارے احاطہ علم میں ہیں جیسے شجر و حجر، پانی اور جانور، جب کہ کچھ ایسی بھی مخلوقات ہیں جو ہمارے علم میں نہیں ہیں، سمندر میں کتنی ایسی مخلوقات رہتی ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے ، ان میں سے کچھ مخلوقات کی جانکاری ہمیں ان تصویروں کے ذریعہ ملی ہے جو غواصی کرنے والے سمندر کی تہ میں جاکر لیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالی کی مخلوقات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں اللہ تبارک و تعالی ہی جانتا اور شمار کر سکتا ہے۔

شاگرد: لیکن سوال یہ ہے کہ جنوں کو ہمیں دیکھنے اور ہماری باتیں سننے کی صلاحیت کیوں دی گئی ہے۔ جب کہ ہم انہیں نہ تو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان کی بات ہی سن سکتے ہیں؟

استاد: میرے بچو! اس میں اللہ تعالی کی حکمت پوشیدہ ہے، اور یہی ہمارے لئے بہتر بھی ہے، اگر ہم انہیں دیکھ پاتے تو ہو سکتا تھا کہ ان کی شکل وصورت سے ہمیں تکلیف پہنچتی، اس لئے اللہ نے جو چیز ہم سے مخفی رکھی ہے، اس کا مخفی رہنا ہی ہمارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ اللہ ہم پڑ بڑا مہربان ہے، وہ ہمارے لئے خیر وبھلائی چاہتا ہے، وہ ہمیں سمندروں کے خوشنما منظر، باغوں کی ہریالی وشادابی اور آسمان اور ستاروں کی چمک دمک جیسی ہر طرح کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیتا ہے، کیوں کہ وہ ہمارے لئے بھلائی اور بہتری پسند فرماتا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی اللہ سے محبت رکھنا چاہئے، اس کی اطاعت بجالانا چاہئے اور ہمہ وقت اس کے شکر کے ترانے گاتے رہنا چاہئے۔

دعوت کا دوسرا مرحلہ:

استاد: آپ جانتے ہیں کہ خفیہ دعوت کا پہلا مرحلہ تین سال تک جاری رہا، اس کے بعد اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ کھل کر لوگوں کو دین کی طرف بلائیں اور تمام لوگوں میں

اس کا اعلان کر دیں، اللہ نے اپنے نبی سے کہا: ﴿وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ ٢١٤﴾ [سورة الشعراء:۲۱۴].

ترجمہ: اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرادے۔

﴿فَٱصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ٩٤﴾ [سورة الحجر:۹۴].

ترجمہ: پس آپ اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جس چیز کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے، آپ اس کا اعلان کر دیں اور جو مشرکین آپ کی راہ میں رخنہ ڈالتے ہیں ان کی طرف نظر التفات نہ پھیریں، تاکہ آپ کی دعوت جاری وساری رہے۔ اس لئے کہ جو رکاوٹوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے وہ زندگی میں کچھ نہیں کرپاتا۔

شاگرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کس طرح دین کی دعوت دی؟

استاد: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے جو ابھی مسعی (سعی کرنے کی جگہ) کے شروع میں واقع ہے، آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ ندا لگائی: یاصباحاہ (ہائے صبح) یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچے مانو گے ؟ لوگوں نے کہا: ہاں، ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا۔ آپ نے فرمایا: اچھا، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے خبر دار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابو لہب نے کہا: تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ ١ مَآ أَغۡنَىٰ عَنۡهُ مَالُهُۥ وَمَا

كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصۡلَىٰ نَارٗا ذَاتَ لَهَبٖ ﴿٣﴾ وَٱمۡرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ ٱلۡحَطَبِ ﴿٤﴾ فِي جِيدِهَا حَبۡلٞ مِّن مَّسَدِۭ ﴿٥﴾﴾ [سورۃ المسد: ۱-۵].

ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود ہلاک ہو گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی جائے گی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔

شاید اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پہلے مرحلہ میں دعوت کو پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ تھی، اور دعوت کا آغاز رشتہ داروں سے کیوں کیا گیا تھا؟ اسی لئے تا کہ ابولہب جیسے لوگ ٹانگ نہ اڑائیں۔

شاگرد: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بہت نرالا ہے کہ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے انہیں دین کی دعوت دی، لیکن ہمارا ایک سوال ہے کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں (یا صباحاہ) کا ذکر کیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

استاد: عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی اہم بات ہوتی یا کوئی خطرہ لاحق ہونے والا ہوتا تو لوگوں میں وہ یا صباحاہ (ہائے صبح) کی ندا لگاتے۔

پھر غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ جب قریش کے قبائل آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے کہا: تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ اس پر لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اسی لئے وہ آپ کو امین کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن کچھ لوگوں کے اندر حسد اور کبر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حق کی

نکیر کرتے اور خیر و بھلائی کو قبول کرنے سے ابا کرتے ہیں۔ اسی لئے ہمیں کبر و غرور سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے اور تکبر کے تمام رویوں سے دور رہنا چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقے سے اذیتیں دی گئیں:

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل لوگ شرک و گمراہی کے دلدل میں تھے۔ اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے اور پھر اسی کی عبادت کرتے اور اپنی ضرورتیں اس سے طلب کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا کھل کر اعلان کیا تو کچھ لوگوں کو لئے شرک کی قدیم روایت اور عادت کو ترک کرنا مشکل لگنے لگا۔ جب کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم مقام و مرتبہ پر آپ سے حسد کرنے لگے۔ جب کہ چند ایسے بھی لوگ تھے جنہیں یہ ڈر کھائے جارہا تھا کہ اسلام لانے سے ان کی سرداری چھن جائے گی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں آجائیں گے۔ جب کہ کچھ ایسے بھی تھے جنہیں اپنے گناہوں پر ڈٹے رہنا ہی زیادہ محبوب تھا۔

ان منجملہ اسباب کی بناپر کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرام سے عداوت و دشمنی کرنے لگے اور انہیں ہر طریقے سے تکلیف واذیت پہنچانے لگے۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم، گویا ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو حق کو جاننے کے باوجود محض اپنے مفاد کے لئے اس سے عداوت رکھتے ہیں۔

استاد: ہاں، حق اور سچائی کے تئیں لوگوں کا ایسا ہی رویہ رہا ہے، اسی لئے ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم حق کی اتباع و پیروی کریں اور خواہش نفس کو حق کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیں۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی کچھ تفصیل آپ ہمیں بتا سکتے ہیں؟

استاد: گزشتہ انبیاء کرام کو اپنی قوموں کی جانب سے مختلف قسم کی اذیت، تکذیب اور حقارتوں کا سامنا کرنا پڑا، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾﴾ [سورۃ الحجر:۱۰-۱۱].

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول برابر بھیجے لیکن جو بھی رسول آتا وہ لوگ اس کا مزاق اڑاتے۔

انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن طریقوں سے اذیت دی ان میں آپ کو جھٹلانا اور آپ کی تکذیب کرنا سر فہرست ہے، پہلے وہ آپ کو امین کہتے تھے لیکن رسالت کے بعد آپ کو وہی لوگ جادوگر، مجنوں، کاہن اور شاعر جیسے القاب دینے لگے، اللہ تعالی نے ان کی تکذیب کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾﴾ [سورۃ التکویر:۲۲].

یعنی: اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

اور فرمایا کہ:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾﴾ [سورۃ الحاقۃ:۴۰-۴۲].

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے، یہ کسی شاعر کا قول نہیں، افسوس تمہیں بہت کم یقین ہے، اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، افسوس بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔

شاگرد: مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنوں، جادوگر اور شاعر جیسے القاب سے پکارنے لگے۔ لیکن ہمیں کاہن کا معنی سمجھ میں نہیں آیا؟

استاد: بہت خوب، اللہ تم پر اپنی برکتیں نازل فرمائے، یہ بڑا اچھا سوال ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم توجہ کے ساتھ درس سنتے ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت رکھتے ہو۔

کاہن اسے کہتے ہیں جو علم غیب کا دعوی کرے، جب کہ غیب کا علم صرف اللہ تبارک وتعالی کو ہے، اور اللہ تعالی اپنی مشیئت سے جب چاہتا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غیبی چیز کا علم عطا کرتا ہے جس کی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

شاگرد: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صفات سے کیوں متصف کرتے تھے؟ انہیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا تھا؟

استاد: وہ ان بے معنی اور باطل اوصاف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے متصف کرتے تھے تاکہ لوگوں کی نظر میں آپ کی نبوت مشکوک بن جائے اور وہ دین الہی کو قبول کرنے سے باز رہیں، اور اس لئے بھی تاکہ لوگ آپ کی دعوت کی راہ میں روڑے ڈالیں اور آپ کی ہمت پست کرکے آپ کو دعوت سے روک دیں۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟ کیا آپ نے ان سے جھگڑا مول لیا؟ یا آپ نے اپنے دفاع کے لئے ان سے جنگ وجدال کی؟

استاد: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے خیر خواہ تھے، آپ انہیں کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لانا چاہتے تھے، تاکہ وہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکیں، لیکن آپ کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام لینے کی سوچتے بھی نہ تھے، بلکہ آپ ان کی ایذاءرسانیوں پر صبر و تحمل سے کام لیتے اور ان کے اسلام لانے کے متمنی رہتے۔ اگر آپ ان سے لڑتے جھگڑتے یا ان پر ظلم وتعدی کرتے یا ان کے ساتھ سب وشتم سے کام لیتے تو ان کی دشمنی میں اور اضافہ ہی ہو جاتا۔ لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مہربان اور شفیق تھے، اس لئے ان کے کفر پر ترس کھاتے تھے کیوں کہ کفر کی سزا جہنم ہے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

شاگرد: واللہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کے تیئں بڑے مہربان اور رحم دل تھے۔

استاد: بالکل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ رحم وکرم اور مہربانی کا معاملہ کرتے تھے خواہ وہ آپ کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو اسی صفت سے متصف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ ﴿١٥٩﴾﴾ [سورۃ آل عمران:۱۵۹].

ترجمہ: آپ اگر بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

یعنی آپ اگر ان کے ساتھ سخت رویہ اپناتے تو وہ آپ کو چھوڑ جاتے اور اسلام قبول نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ صبر کا معاملہ کرتے تھے اس لئے وہ اپنی دشمنی سے باز آکر دین الہی کے پیروکار بن جاتے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے ہمیں بھی صبر کا

دامن تھامے رہنا چاہئے۔ اپنے مخالفین کے ساتھ ترش روئی اور سخت کلامی نہیں برتنا چاہئے کہ وہ ہم سے متنفر ہو کر ہمیں چھوڑ ہی جائیں اور بطور انجام ہمارا ان سے رشتہ ناطہ ہی ختم ہو جائے، اور پھر ہم نہ ان پر اپنا کوئی اثر ڈال سکیں اور نہ انہیں بھلائی کی رہنمائی کر پائیں۔

شاگرد: یہ بڑے عمدہ اور اچھے اخلاق کی باتیں ہیں، اور استاد گرامی! آپ کی نصیحتیں بھی بڑی قیمتی ہیں۔

استاد: ان کی ایذاء رسانی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی طرح کی بھی زیادتی اور ظلم کرنے سے ذرا بھی گریز نہ کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہوتے اور سجدہ میں جاتے تو وہ باہمی سازش و مکاری سے آپ کے اوپر خون اور جانور کی لید پھینکتے [۳۶]۔ حدیث میں فرث کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں جانور کے معدے میں پائی جانے والی غلاظتیں، وہ یہ غلاظت آپ کے اوپر پھینکتے اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ہی میں پڑے رہتے۔

شاگرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس حرکت پر کیا ردعمل ظاہر کرتے؟

استاد: دشمنوں کے اس کرتوت کی خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچتی ہے، وہ ابھی جویریہ یعنی کم سن ہوتی ہے، وہ آکر اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے یہ غلاظتیں ہٹاتی ہیں پھر ان مشرکوں کی طرف رخ کرتی ہیں جنھوں نے ان کے والد کے ساتھ یہ بدسلوکی کی تھی اور انہیں سخت سست سناتی ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعائیہ کلمات نکلتے ہیں اور اللہ

---

[۳۶] بخاری: (۱/۱۸۱-۱۸۰) حدیث نمبر: (۵۲۰)

تعالی ان تمام کو غزوہ بدر میں ہلاک وبرباد کردیتا ہے[۳۷]۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں ذکر کی جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے پاس نماز میں محو عبادت تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نامی شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر آپ کی گردن میں ڈالا اور اس سے آپ کا گلا گھونٹتے ہوئے اسے سختی سے کھینچا، اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے اس کا مونڈھا پکڑ کر آپ سے ہٹایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچائی[۳۸]۔ مونڈھا کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں کندھے کا سرا اور بازو یکجا ہوتے ہیں[۳۹]۔

شاگرد: یقینا دعوت کی راہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی اذیتیں اٹھانی پڑی، اور آپ نے ان تمام اذیتوں کو مکمل صبر اور عزیمت کے ساتھ برداشت کیا۔

استاد: آپ نے درست کہا، ایک دفعہ مشرکین جمع ہوئے اور آپ کی جان لینے کی سازش رچی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر لگی، انہیں اپنے والد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا، روتی ہوئی اپنے والد کے پاس آئیں اور معاملہ سے آپ کو باخبر کیا، آپ نے وضوء کے لئے پانی طلب کیا اور وضوء کرکے مسجد حرام کی طرف نکل پڑے۔

شاگرد: مشرکین اتنی کثیر تعداد میں تھے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کی؟

---

[۳۷] سابق مرجع

[۳۸] بخاری: (۳/۲۸۶) حدیث نمبر: (۳۸۱۵)

[۳۹] استاد اس کی مزید وضاحت کرسکتے ہیں۔

استاد: بالکل نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قطعی پرواہ نہ کی، آپ شجاع اور بہادر انسان تھے، آپ نے اللہ تبارک وتعالی پر توکل اور بھروسہ کیا، آپ جانتے تھے کہ ان سے اور ان کی شر انگیزیوں سے اللہ ہی آپ کی حفاظت فرمائے گا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے اور جیسے ہی ان کی نظر آپ پر پڑی ان کی نگاہیں پست ہوگئیں، ان کی ٹھڈیاں سینوں میں سٹ گئیں، یعنی انہوں نے سر زمین میں گاڑ لئے اور ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے ہل نہ سکا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے سروں کے پاس کھڑے ہو کر ایک مشت مٹی اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر مار دیا کہ: چہرے خاک آلود ہوں۔ ان میں سے جس کے چہرے پر بھی اس میں سے کوئی کنکڑی پڑی وہ حالت کفر میں ہی بدر کے دن مارا گیا[۴۰]۔

شاگرد: یہ ایک خوفناک واقعہ ہے استاد محترم۔

استاد: یقینا یہ ایک خوفناک اور ہیبت ناک حادثہ ہے، اللہ کی قدرت پر غور کریں کہ کس طرح ان کی سازش کو خود ان کے لئے ہی ذلت اور اہانت میں تبدیل کر دیا، اور ان کے دل میں خوف پیدا کر دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا حوصلہ اور عزیمت بخشا کہ آپ نے خاک اٹھا کر ان کے چہرے پر مار دیا۔ غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہر چیز پر اللہ تعالی کی قدرت کس طرح نمایاں ہوتی ہے، مشرکین ایک بڑی جماعت میں تھے لیکن اللہ تعالی کے حکم سے ان کی قوت وطاقت ہویدا ہوگئی، ان میں سے نہ کوئی حرکت کر سکا، نہ زبان سے ایک لفظ ہی نکال سکا اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت کر سکا، گویا جب اللہ تعالی کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ: ہو جا تو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے، اللہ

---

[۴۰] احمد، المسند: (۱/۲۰۲)

تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَآ أَمۡرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيۡـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ٨٢﴾ [سورة یس: ٨٢].

ترجمہ: وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔

کوئی بھی چیز اللہ تعالی کی قدرت سے باہر نہیں۔

آپ اس پر بھی غور کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب پر کس قدر یقین اور بھروسہ تھا کہ اللہ ان کی سازشوں سے آپ کو ضرور بچائے گا جس کی بناء پر آپ -بغیر کسی ادنی تامل کے- باوضوء ہو کر مسجد حرام کی طرف نکل گئے۔

شاگرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر خوش ہوئی ہوں گی کہ اللہ نے ان کے والد کی حمایت اور نصرت فرمائی۔

استاد: بے شک میرے بچو! حضرت فاطمہ کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ اللہ تعالی نے ان کے والد اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی مدد فرمائی۔ ان کے آنسو اب خوشی میں تبدیل ہو گئے۔

تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے نبی کو عزت ونصرت سے سرفراز فرمایا اور دشمنوں سے ان کی حفاظت فرمائی۔

اسلام لانے والے صحابہ کرام کو دی جانے والی مختلف اذیتیں:

استاد: قریش نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بھی مختلف اذیتیں دی، انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر سورج کی تپش میں چھوڑ دیتے، بلال بن رباح کو قریش کے اوباش نوجوان مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور ان کی زبان سے احد احد کے نعرے نکلتے، امیہ بن خلف سخت چلچلاتی دھوپ میں مکہ کی

ریگزار زمین پر حضرت بلال کو لٹا دیتا، اور حکم دیتا کہ ان کے سینے پر بڑے بڑے پتھر رکھے جائیں اور کہتا کہ: یوں ہی پڑے رہو تا آنکہ موت آجائے یا محمد کو ٹھکرا کر لات وعزی کی عبادت کے لئے تیار ہو جاؤ، حضرت بلال کی زبان سے پھر بھی احد احد کے کلمات ہی جاری ہوتے[۴۱]۔

شاگرد: حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد پکارتے تھے اس کا کیا مطلب ہے؟

استاد: حضرت بلال احد احد کہتے تھے اس کا مطلب ہے کہ: اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بڑی سخت سزا سے دوچار ہونا پڑا۔ استاد گرامی! امیہ کا اس جلیل القدر صحابی سے کیا تعلق تھا؟

استاد: بلال بن رباح رضی اللہ عنہ امیہ کے غلام تھے، لوگ زمانہ جاہلیت میں کچھ انسانوں کو غلام بنا کر رکھا کرتے تھے، ان کا خرید وفروخت ہوتا تھا، ان کے ساتھ سامان تجارت کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا، جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ان چیزوں کو اسلام نے ختم کر دیا۔

شاگرد: بہت خوبصورت بات ہے کہ اسلام نے انسانوں کو آزادی دلائی اور سماج سے اس برائی کا خاتمہ کیا۔ اے استاد محترم! ایک سوال یہ ہے کہ حضرت بلال کو کب تک سزا دی جاتی رہی اور وہ صبر کا دامن تھامے دین پر قائم رہے؟

---

[۴۱] احمد: المسند: (۱/۴۰۴)

استاد: آپ نے اچھا سوال کیا، حضرت بلال اس وقت تک سزا سے دوچار رہے اور احد احد پکارتے رہے جب تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں امیہ سے خرید کر آزاد نہ کر دیا، اس کے بعد دیگر لوگوں کی طرح ان کی آزادی بھی لوٹ آئی [٤٢]۔

شاگرد: اللہ تعالی حضرت ابو بکر کو اس عظیم کام پر بہتر اجر سے نوازے، انہوں نے بلال کو عذاب وعقاب کی سوزش وتکلیف اور ذلت سے چھٹکارا دلا کر آزادی کی نعمت سے سر فراز کیا۔

استاد: اذیتوں سے دوچار ہونے اور ان پر صبر کرنے والوں میں یاسر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ بھی شامل تھے۔

بنو مخزوم حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو سخت چلچلاتی دھوپ میں باہر نکالتے اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے [٤٣]۔

شاگرد: اس واقعہ میں رمضاء (تپتی ہوئی ریت) کا ذکر آیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

استاد: جب دھوپ کی تپش سے زمین سخت گرم ہو جاتی ہے تو اسے رمضاء کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ: رمضاء پہ نہ چلو، یعنی جب زمین سورج کی تپش سے گرم ہو جائے تو بغیر جوتے چپل کے نہ چلو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب آل یاسر کے پاس سے گزرتے اور انہیں عذاب دیا جارہا ہوتا تو آپ انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہتے: اے آل یاسر! صبر سے کام لیتے رہو کیوں کہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ بشارت دیتے کہ ان کو بدلے میں جنت ملنے والی ہے، وہ جنت جو

---

[٤٢] حاکم، المستدرک: (٣/ ٢٨٤)

[٤٣] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (١/ ٣٤٢)

دین کے معاملے میں سزا سے دوچار ہونے پر صبر کرنے کے بدلے ان کے انتظار میں ہے۔ حضرت عمار بن یاسر کی والدہ کو مشرکوں نے اتنی سزا دی کہ ان کی جان چلی گئی لیکن پھر بھی وہ دین اسلام پر قائم رہی تاکہ اپنے رب تبارک وتعالی سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکیں اور جس جنت کا وعدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا وہ ان کی جائے قرار ٹھہرے[۴۴]۔

استاد: خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ کو بھی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا، انہیں اتنی اذیت دی گئی کہ ان کی پشت پر اذیتوں کے نقش پڑ گئے[۴۵]۔

اسی طرح مختلف صحابہ کرام کو اپنی قوم کی ایذاءرسانیوں سے دوچار ہونا پڑا، سوائے ان صحابہ کرام کے جنہیں اپنی قوم کی حمایت حاصل تھی تو انہوں نے دشمنوں کے ظلم وتعدی سے ان کی حفاظت کی۔

شاگرد: اللہ تعالی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام سے راضی ہو، یقینا انہوں نے بہت ساری اذیتوں کو برداشت کیا اور دکھ درد جھیلے۔

استاد: بالکل، واقعی انہوں نے توفیق الہی اور صبر وشکیبائی کی بدولت اپنے دین وایمان کے حفاظت کے لئے بہت ساری تکلیفیں برداشت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور جنت کی بشارتیں بھی دین پر ثابت قدم رہنے میں ان کا معاون ثابت ہوئیں، یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کو نصرت وتمکنت سے سرفراز فرمایا اور اسلام ہم تک پہنچ سکا، ہمیں اسلام کی خاطر کسی قسم کی اذیت بھی نہ اٹھانی پڑی۔ وللہ

---

[۴۴] سابق مرجع

[۴۵] بخاری: (۲/۵۳۱) حدیث نمبر: (۳۶۱۲)

الحمد والشکر۔ ہم اللہ تعالی کی حمد بیان کرتے ہیں، جب جب ذکر آئے ہم صحابہ کرام کے لئے رضائے الہی کی دعا کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ ہمیں جنت الفردوس میں ان کی رفاقت عطا کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لئے سودے بازیاں:

جب قریش کے مشرکوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر رہے ہیں اور دن بدن دعوت اسلام کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے اور انہوں نے آپ کو اذیت دینے کے جو طریقے اختیار کئے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے نشاط وسرگرمی کو روکنے میں ناکام ہیں، تو انہوں نے بات چیت اور سودے بازی (مفاوضات) کا انداز اپنایا، اور ان کے دل میں یہ یقین تھا کہ اس طریقہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر روک لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

شاگرد: استاد گرامی معذرت کے ساتھ، مفاوضات (سودے بازی اور بات چیت) کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

استاد: مفاوضات کے معنی ہوتے ہیں باہمی گفتگو، اور کسی چیز پر اتفاق اور معاہدہ کرنے کے لئے دو فریق کا آپس میں چند باتیں پیش کرنا جن پر وہ باہم متفق ہو سکیں۔

شاگرد: لیکن یہ تو دین کا معاملہ ہے! اللہ نے اسے نازل کیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، کیا دین میں کسی بات چیت اور سودے بازی کی کوئی گنجائش ہے؟

استاد: بہت خوب میرے شاگر دو، انہیں لگتا تھا کہ ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے مان لیں، یہ ان کی خام خیالی تھی، لیکن آپ میری بات سنتے رہیں، آپ کو اس بارے میں ساری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

آپ کے چچا ابو طالب کے ساتھ بات چیت:

استاد: قریش کے سربر آوردہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئے جنہوں نے آپ کے دادا کی وفات کے بعد آپ کی کفالت، نگہداشت اور تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی، جیسا کہ ہم پہلے جان چکے تھے۔

انہوں نے ابو طالب سے عرض کیا: آپ کا بھتیجا ہمیں ہماری مجلسوں میں آکر اذیتیں پہنچاتا ہے، آپ انہیں اس سے باز رکھیں۔

شاگرد: لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔ آخر انہوں نے ایسا کیوں کہا؟

استاد: بہت خوب! در اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا ہی ان کی نظر میں تکلیف دہ بات تھی۔

شاگرد: ہمیں بات سمجھ میں آگئی۔ ابو طالب نے انہیں کیا جوب دیا؟

استاد: جب ابو طالب نے ان کی بات سنی تو اپنے بھتیجے اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور ان سے کہا: تمہارے چچازاد بھائیوں کا کہنا ہے کہ تم ان کی مجلسوں میں جاکر انہیں اذیت دیتے ہو۔ اللہ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے: چچا جان! اللہ کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور مجھ سے کہیں کہ میں اپنی دعوت سے باز آجاؤں تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا(٤٦)۔

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کوئی ان کے داہنے ہاتھ میں چاند اور بائیں ہاتھ میں سورج نہیں رکھ سکتا۔ لیکن جس طرح ان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ سکیں اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دین الٰہی کی طرف بلانا چھوڑ دیں۔

شاگرد: بہت خوبصورت اور دلکش معلومات، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بہت پسند آیا۔ لیکن آپ کے چچا ابو طالب کا کیا جواب تھا؟

استاد: ابو طالب نے ان سے کہا: ہم نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا، تم سب واپس چلے جاؤ(٤٧)۔

یعنی کہ ہمیں اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ جب انہوں نے ایسی بات کہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی دعوت اور مشن کو ترک نہیں کر سکتا۔ تم نے جو سنا وہ سچ ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کی بات چیت:

---

(٤٦) حاکم، المستدرک: (٣/٥٧٧)

(٤٧) سابق مرجع

استاد: ایک دوسرے موقع پر عتبہ بن ربیعہ نے اپنی قوم کفار قریش کے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر بات چیت کرے، مشرکین قریش نے اس کو اجازت دے دی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں، یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ میں فیصلہ نہ کریں گے، اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں، اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ[۴۸]، یعنی اگر یہ کوئی ایسی چیز ہے جو تمہارے خواب میں آکر تمہیں ایسا ویسا کرنے کا حکم دیتی ہے تو ہم تمہارا علاج کرائیں گے۔

شاگرد: یہ تو بہت بڑی پیش کش ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا جواب دیا؟

استاد: سب سے پہلی بات تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بولنے کی چھوٹ دیا اور گفتگو کے درمیان اس کی بات نہیں کاٹی، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تھا۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی صورت میں اس کی کوئی بھی بات ماننے والے نہیں تھے، کیوں کہ ان تمام پیش کش کا

[۴۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/ ۳۱۴-۳۱۳)

مقصد دنیا طلبی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے جس پیغام کے علمبردار تھے وہ دنیا ومافیہا سے بہتر اور افضل ہے۔

جب عتبہ اپنی بات ختم کر چکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری بات سن لی تو آپ نے فرمایا: اے ابو الولید! کیا تم فارغ ہو چکے ؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اب میری سنو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیتیں تلاوت کی: ﴿حمٓ ﴿١﴾ تَنزِيلٌ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٢﴾ كِتَٰبٌ فُصِّلَتۡ ءَايَٰتُهُۥ قُرۡءَانًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَعۡلَمُونَ ﴿٣﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعۡرَضَ أَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُونَ ﴿٤﴾ وَقَالُواْ قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُونَآ إِلَيۡهِ وَفِيٓ ءَاذَانِنَا وَقۡرٌ وَمِنۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَٱعۡمَلۡ إِنَّنَا عَٰمِلُونَ ﴿٥﴾﴾ [سورۃ فصلت:۱-۵].

رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے پڑھتے جارے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے چپ چاپ سنتا جارہا تھا۔ جب آپ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا، پھر فرمایا: اَبو الولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا سن چکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے[۴۹]۔

شاگرد: بہت اچھی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے سامنے اس سورہ کی تلاوت کی جس کے اندر بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ نے بشیر اور نذیر (بشارت دینے اور ڈرانے والا) بنا کر اتارا ہے۔

استاد: یہ بھی اچھی بات ہے کہ تم نے ان آیتوں کو بغور سنا۔

[۴۹] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/ ۳۱۴-۳۱۳)

شاگرد: اس کے بعد عتبہ کا رد عمل کیا تھا، ہو سکتا ہے کہ سورہ کی تلاوت اور اس کے معانی اس پر اثر انداز ہوئے ہوں۔

استاد: کلام الٰہی سن کر عتبہ بہت متاثر ہوا، جب اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گیا تو وہ اس کا چہرہ دیکھ کر یہ جان گئے، اور بول پڑے: اَبو الولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آیا ہے جو چہرہ لے کر گیا تھا۔

پھر اَبو الولید سے انہوں نے پوچھا: اَبو الولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟ یعنی تم کون سی خبر لے کر آئے ہو؟

اس نے کہا: پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ ویسا کلام واللہ میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم وہ نہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت۔

اس کے بعد قریش کے لوگوں سے کہا کہ: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ: اس نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

شاگرد: یعنی انہوں نے عتبہ کی بات نہیں مانی۔

استاد: ہاں، انہوں نے عتبہ کی ایک نہ سنی۔ خود عتبہ جو قرآن کریم سے متاثر ہو چکا تھا، وہ بھی اپنی قوم کی پیروی میں اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہا۔

شاگرد: تب تو یہ عتبہ اور اس کی قوم کا صرف کبر وغرور ہے کہ انہوں نے حق جان کر بھی اسے قبول نہیں کیا۔

استاد: یقیناً یہ ان کا کبر ہی ہے۔ اس لئے کہ حق ان کے سامنے واضح ہو چکا تھا، انہوں نے قرآن سنا تھا، عتبہ نے اس قرآن کے ایسے اوصاف بیان کئے جن سے انہیں پتہ چل چکا تھا کہ قرآن ایسی کوئی چیز نہیں

جو وہ کہا کرتے ہیں: کہ وہ شعر ہے، کبھی کہتے ہیں کہ: جادو ہے۔ کبھی اسے کہانت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عتبہ نے واضح کر دیا کہ اس نے جو کلام سنا ہے وہ ایسا نہیں جیسا وہ کہتے ہیں۔

طالب علمو! کبر وغرور سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ہدایت سے سرفراز کرے اور ہمیں دین حق پر ثابت قدم رکھے جیسا کہ اللہ نے ہمیں اس آیت کریمہ میں اس کی تعلیم دی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ﴿٨﴾﴾ [سورۃ آل عمران:٨].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقینا تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔

گویا تکبر ایک خطرناک چیز ہے، کیوں کہ متکبر شخص حق کو ٹھکرا دیتا اور اسے ماننے سے انکار کرتا ہے، خواہ ٹھکرانے کی جو بھی وجہ رہے[٥٠]۔

معجزات کا مطالبہ:

استاد: جب کفار قریش کی بات چیت اور سودے بازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور پیغام کو روکنے میں ناکام ہو گئی تو انہوں نے آپ سے معجزات کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔

شاگرد: معجزات کے کیا معنی ہیں؟

---

[٥٠] اس موقع پر معلم اور مربی کبر کے مضرات اور اقسام کی مزید وضاحت کریں اور مثالیں دے کر اسے سمجھائیں۔

استاد: معجزات اسے کہتے ہیں جو انسان کے بس میں نہ ہو، مشرکین نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنادیں تب وہ ایمان لائیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کیا، آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ تعالی آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ: اگر آپ چاہیں تو صفا پہاڑ کو سونا میں بدل دیا جائے گا۔ لیکن اس کے بعد جو کفر کرے گا اسے ہم ایسا عذاب دیں گے کہ ایسا عذاب ہم دنیا جہان میں کسی کو نہیں دیتے۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لئے رحمت اور توبہ کے دروازے کھول دئے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ توبہ اور رحمت کے دروازے کھول دئے جائیں[٥١]۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے توبہ اور رحمت کے دروازے کیوں اختیار کئے اور مشرکین کے مطالبہ کو اختیار نہیں کیا کہ وہ اسلام لے آئیں؟

استاد: بہت خوب میرے بچو، یہ ایک اہم سوال ہے۔ پہلی بات یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ قریش عربوں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے، وہ عربی زبان سے گہری واقفیت رکھتے تھے، جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، بلکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے، اس لئے کہ انسان کے اندر خواہ جتنی بھی عربی دانی آجائے وہ قرآن کی جیسی ایک آیت بھی ہر گز نہیں پیش کر سکتا، تو بھلا وہ ایک سورت کیسے لا سکتا ہے، لیکن ان تمام حقائق کو جاننے کے باوجود بھی انہوں نے اسلام سے اعراض برتا۔

---

[٥١] الحاکم، المستدرک: (١/ ٥٤-٥٣)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برتاؤ اور تعامل سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ اگر صفا پہاڑ کو سونا بھی بنا دیا جائے تو وہ یہی کہیں گے تم نے ہماری آنکھوں میں جادو کر دیا ہے، اور اگر وہ ایسا کہتے تو اللہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کر دیتا اور اللہ کے رسول کو ان پر فتح ونصرت حاصل ہو جاتی۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحم دل اور شفیق تھے اس لئے آپ نے ان کے ساتھ صبر کا معاملہ کیا اور ان کی ہدایت کے لئے کوشاں رہے اور یہ امید کرتے رہے کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور ان کے ساتھ ان کے آل واولاد بھی مسلمان ہو جائیں اور اس طرح انہیں اللہ کے عذاب سے نجات مل جائے۔

شاگرد: آپ کا اختیار حکمت پر مبنی تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحم دل اور نرم مزاج انسان تھے، آپ کے اندر سخت مزاجی اور ترش روئی نہیں تھی، آپ انتہائی صابر تھے، آپ نے عذاب کے بجائے ان کے لئے اللہ کی رحمت اختیار کی، ان کی اذیتوں کو برداشت کیا اور صبر کا دامن تھامے رہے۔

استاد: یقینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیم وبردبار اور انتہائی صابر انسان تھے، آپ لوگوں کے خیر خواہ تھے، اپنے دشمنوں کے لئے بھلائی کے خواہاں تھے، ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واطوار کی اقتداء کرنی چاہئے، صبر وشکیبائی سے کام لینا چاہئے اور شدت وترش روئی کے بجائے شفقت ومہربانی کا رویہ اپنانا چاہئے تاکہ اللہ ہمارے اوپر رحم فرمائے اور ہمیں ہر طرح کی برکتوں سے مالامال کرے۔

شاگرد: استاد محترم! کیا انہوں نے آپ سے اور بھی کوئی معجزہ طلب کیا؟

استاد: ہاں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: (مکہ والوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ کوئی نشانی دکھائیں، تو آپ نے ان کے سامنے چاند کے دو ٹکڑے کر دئے، یہاں تک کہ انہوں حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا)[٥٢]۔

شاگرد: یہ کیسے واقع ہوا؟ اس کی مزید وضاحت کر دیں۔

استاد: جب اہل مکہ نے آپ سے نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالی نے آسمان میں چاند کو دو حصوں میں منقسم کر دیا، دونوں حصے الگ الگ ہو گئے، انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہاں تک کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو چاند کے ان دو ٹکڑوں کے درمیان اس قدر واضح انداز میں دیکھا کہ یقین ہو گیا کہ چاند واقعی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، اللہ تعالی نے اس نام سے ایک سورت بھی نازل فرمائی جس کا نام سورۃ القمر ہے ، اللہ فرماتا ہے: ﴿ٱقۡتَرَبَتِ ٱلسَّاعَةُ وَٱنشَقَّ ٱلۡقَمَرُ ۝١ وَإِن يَرَوۡاْ ءَايَةً يُعۡرِضُواْ وَيَقُولُواْ سِحۡرٞ مُّسۡتَمِرّٞ ۝٢﴾ [سورۃ القمر: ١-٢].

شاگرد: شق قمر کی یہ عظیم نشانی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کیا مشرکین اسلام لے آئے؟

استاد: جیسا کہ تم نے سورہ قمر کی آیت میں سنا کہ (وَإِن يَرَوۡاْ ءَايَةً يُعۡرِضُواْ وَيَقُولُواْ سِحۡرٞ مُّسۡتَمِرّٞ)
ترجمہ: یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے ۔یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جادو ہے۔ اب تم کو اس بات کی حکمت سمجھ میں آرہی ہو گی کہ آخر کیوں نبی

---

[٥٢] بخاري: (٣/٥٩) حدیث نمبر: (٣٨٦٨)

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ اختیار کیا اور یہ پسند نہ کیا کہ صفا پہاڑ کو سونا بنادیا جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے کھلی آنکھوں سے شق قمر کا منظر دیکھنے کے باوجود بھی یہی کہا کہ: یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے صفا پہاڑ کو سونا میں تبدیل کرنے کو اختیار کر لیتے اور پھر بھی وہ اسلام نہ لاتے تو انہیں لامحالہ عذاب سے دوچار ہونا پڑتا۔

یہ بات تو حد درجہ درست ثابت ہوئی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اختیار کرتے کہ اللہ تعالی ان کے لئے صفا پہاڑ کو سونا بنادے تو وہ یہی کہتے کہ: آپ نے ان کی آنکھوں میں جادو کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے پوری طرح واقف تھے۔

ہجرت حبشہ:

استاد: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام دین اسلام قبول کرنے کی وجہ مختلف قسم کے جور وستم اور ابتلاء وآزمائش کے شکار ہیں تو آپ نے ان سے کہا: اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے اور ہجرت کرنا ناگزیر ہے، آپ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا، وہ راست بازوں کی سرزمین ہے، آپ اسی ملک میں اقامت اختیار کریں تا آنکہ اللہ ہمیں ستم رانیوں کی اس مصیبت سے نجات بخش دے[٥٣]۔

مکہ سے حبشہ کی طرف اس منتقلی کو ہجرت کے نام سے جانا جاتا ہے، اس لئے کہ صحابہ ظلم وستم کی بستی کو چھوڑ کر ایسی جگہ کی طرف ہجرت کر گئے جہاں ان کا دین بھی محفوظ تھا اور وہ بھی امن وامان میں تھے۔

---

[٥٣] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (١/ ٣٤٤)

شاگرد: یہ ملک حبشہ کہاں واقع ہے ؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں ہجرت کرنے کے لئے تیار ہوگئے ؟

استاد: حبشہ کا موجودہ نام اتھوپیا ہے جو سوڈان کے جنوب میں واقع ہے، جزیرہ عرب اور ملک حبشہ کے درمیان بحر احمر حائل ہے۔

رہی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو وہ ہجرت کے لئے تیار ہوگئے، کیوں کہ مشرکین کے جبر وتعدی سے بچنے کے لئے ہجرت کرنے میں ہی بھلائی تھی، بہ طور خاص ایسی صورت میں جب کہ حبشہ کا بادشاہ انصاف پسند تھا اور انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ کسی پر ظلم روار کھا جائے۔

مسلمانوں نے دو دفعہ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پہلی مرتبہ: ماہ رجب سنہ ۵ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں [٥٤]۔

شاگرد: کیا ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی ؟

استاد: سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں ١١ مرد اور ٤ عورتیں تھیں، وہ پاپیادہ اپنے گھروں سے نکلے تھے، یعنی انہوں نے مکہ سے سمندر تک کا سفر پاپیادہ ہی طے کیا تھا، جس کی مسافت تقریبا ٨٠ کیلو میٹر ہے، اس کے بعد انہوں نے حبشہ کے لئے ایک کشتی کرائے پر لی۔

---

[٥٤] ابن حجر، فتح الباری: (٧/ ١٨٨)

جب مکہ میں رہنے والے باقی دوسرے مسلمانوں کا جینا بھی دوبھر ہوگیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دفعہ ہجرت حبشہ کی اجازت دی، اس بار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کی تعداد ۸۳ تھی[۵۵]۔

شاگرد: حبشہ میں ان کی زندگی کیسے گزر رہی تھی؟

استاد: جب مسلمان حبشہ پہنچے تو انہوں نے وہاں کے بادشاہ کو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مصداق انصاف پسند پایا۔ بادشاہ کا نام نجاشی تھا۔

بادشاہ نے انہیں دین وایمان کا امان دیا اور ہر طرح کی اذیت سے ان کی حفاظت کی، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالی کے فضل سے حبشہ کے اندر امن وامان کی زندگی گزاری۔

شاگرد: یقیناپہلے اسلام لانے والے صحابہ کرام نے دین الہی کی راہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں۔

استاد: بڑی اچھی بات ہے میرے شاگردو کہ آپ نے صحابہ کرام کی جاں فشانیوں کو سمجھا اور ان کی جاں نثاریوں کو محسوس کیا۔

ہمیں ان کی جاں نثاریوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ ہم دین کے معاملے میں سستی اور کاہلی سے کام نہ لیں اور اللہ تعالی نے ہمیں جن عبادتوں کا حکم دیا ہے ان کی بجاآوری میں پیش آنی والی پریشانی کو برداشت کریں اور سستی وغفلت کو پاس نہ آنے دیں۔ اللہ تعالی نے ہمیں امن وامان اور خوشحالی وفارغ

---

[۵۵] سابق مرجع

البالی کی نعمتیں عطا کی ہیں، ہمیں حصول علم میں محنت کرنا چاہئے، بہ طور خاص دین کی تعلیم حاصل کرنے میں لگن سے کام لینا چاہئے، اوراپنے ہر کام میں دین کی خدمت کو پیش پیش رکھنا چاہئے۔

ہجرت کی جگہ پر مسلمانوں کا تعاقب:

استاد: قریش کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان دین وایمان کی سلامتی کے ساتھ حبشہ میں اقامت پزیر ہیں، تو وہ ملک حبشہ میں بھی ان کے پیچھے پڑ گئے، اورانہیں اپنے حال پہ نہیں رہنے دیا۔

شاگرد: صحابہ کرام تو قریش سے بہت دور تھے، آخر انہوں نے ایسا کیا کیا؟

استاد: جب قریش کو خبر لگی کہ مسلمان امن وسکون سے رہ رہے ہیں تو وہ صلاح ومشورہ کے لئے یکجا ہوئے اور متفقہ طور پر یہ تجویز پاس کی کہ وہ نجاشی اور ان کے عاملین کے لئے دو ذہین وفطین شخص کی معرفت کچھ تحفے تحائف بھیجیں تا کہ نجاشی پر اس کا اچھا اثر قائم ہو، یہ دو ذہین شخص عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے[۵۶]۔

شاگرد: اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ کیا پالیسی اختیار کی؟

استاد: نجاشی ایک عقلمند اور منصف حکمراں تھے، انہیں ظلم ہر گز گوارہ نہ تھا، یہ دونوں قریشی ان کے پاس حاضر ہوئے اور نجاشی سے کہا: ہماری قوم کے کچھ نادان اور کم عقل لوگ آپ کے ملک میں آگئے

---

[۵۶] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/ ۳۶۲-۳۵۸)

ہیں، انہوں نے اپنا دین ترک کر دیا ہے اور آپ کے دین کو بھی اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ایسا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہی آپ اس سے واقف ہیں۔

شاگرد: کیا نجاشی نے ان کی یہ بات مان لی؟

استاد: نجاشی ایک حکیم و دانا انسان تھے، فیصلہ لینے سے پہلے انہوں نے صحابہ کی بات سننا ضروری سمجھا جس طرح ان دو قریشیوں کی بات انہوں نے سنی تھی، انسان کو ایسا ہی کرنا چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کا دعوی کرے تو اس وقت تک اس کی بات نہ مانے اور نہ اس کی جانب داری کرے جب تک کہ دوسرے فریق کی بات بھی نہ سن لے، تاکہ عادل و منصف اور امانت دار کہلا سکے، کیا یہ بات درست نہیں ہے میرے بچو؟

شاگرد: بالکل سہی بات ہے، اس کا مطلب ہے کہ نجاشی نے صحابہ کو بلا کر ان سے بھی باز پرس کی۔

استاد: ہاں انہوں نے صحابہ کو طلب کیا اور ان سے پوچھ گچھ کی، لیکن صحابہ ان کے پاس جانے سے پہلے باہم اکٹھا ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا۔

شاگرد: صحابہ کا یہ عمل قابل ستائش ہے کہ انہوں نے بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے آپس میں مشورہ کیا۔

استاد: ہاں، جب لوگ جماعت میں ہوں اور کوئی خاص معاملہ درپیش ہو تو انہیں یکجا ہو کر ئی فیصلہ لینا چاہئے اور کسی ایک انسان کو پوری جماعت پر اپنی رائے تھوپنے کی ضد نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ صلاح و مشورہ کے بہت سے فائدے ہیں، جن میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے غور و فکر کے دروازے کھلتے ہیں، بحث و مناقشہ کا ماحول پیدا ہوتا، ہر ایک کو اپنی رائے دینے کا موقع فراہم ہوتا ہے، جس رائے

میں کسی طرح کی کجی پائی جاتی ہو تو اس کی اصلاح کی جاتی ہے، پھر سارے لوگ باہمی اتفاق سے کسی ایک رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ برکت جماعت کی رائے میں ہی ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

شاگرد: صحابہ کرام کا اجتماع کیسا تھا، یقیناان کا اجتماع اور مجلس بڑی خوبصورت رہی ہو گی۔

استاد: یقیناان کا اجتماع بہت اچھا تھا، انہوں نے کہا کہ: ہم راست گوئی سے کام لیں گے اور جو سچ ہے اسے ہی واضح کریں گے، ہم وہی کہیں گے جس کا حکم ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیاہے، خواہ اس کی جو بھی قیمت چکانی پڑے۔ یعنی خواہ اس میں ہمارے لئے جس قدر بھی بھلائی یا برائی ہو، ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا حکم دیاہے ہم وہی بات کریں گے۔

شاگرد: یہ بڑی اچھی بات ہے کہ انہوں نے نجاشی کے سامنے سچائی اور حقیقت بیانی سے کام لیا جس کی تعلیم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

استاد: ہاں، راست گوئی ہی میں بھلائی ہے، ہمارا دین ہمیں سچ بولنے کا حکم دیتا اور دروغ گوئی سے روکتا ہے۔

شاگرد: نجاشی سے صحابہ کی کیابات چیت ہوئی؟ ہم یہ جاننے کے مشتاق ہیں۔

استاد: صحابہ کا اتفاق ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی ترجمانی کریں گے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بت پوجتے تھے ۔مردار کھاتے تھے۔بدکاریاں کرتے تھے۔ قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے۔ہمسایوں سے بدسلوکی

کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھارہا تھا۔ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، اس کی عالی نسبی ، سچائی ، امانت اور پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی ۔اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ، انہیں چھوڑدیں۔اس نے ہمیں سچ بولنے ، امانت ادا کرنے ، قرابت جوڑنے ، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے بازرہنے کا حکم دیا۔اور فواحش میں ملوث ہونے ، جھوٹ بولنے ، یتیم کامال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا...اس نے ہمیں نماز ،روزہ اورزکاۃ کا حکم دیا۔جب ہماری قوم نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کردی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہوگئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دی[٥٧]۔

شاگرد: بخدا یہ بہت خوبصورت بات ہے۔لیکن ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کن بد اخلاقیوں کے شکنجے میں تھے کہ بتوں کی پوجا کرتے تھے ، قرابتیں توڑتے اور پڑسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے۔جب کہ کچھ ایسی صفات کا بھی ذکر ہوا ہے جن کا معنی ہم سمجھ نہیں سکے جیسے مردار کا کھانا اور فواحش میں ملوث ہونا۔کچھ اور وضاحت کرسکتے ہیں۔

استاد: تمہاری توجہ اور دلچسپی قابل ستائش ہے میرے عزیزو!مردار وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کئے ہوئے اور اس پر اللہ کا نام لئے ہوئے مر جاتا ہے، جیسے کوئی جانور بلند جگہ سے گر کر یا بیماری کی وجہ سے مر جائے تو وہ مردار کہلائے گا۔جہاں تک فواحش کی بات ہے تو ایسے تمام برے اعمال اس میں داخل ہیں جو انسان

---

[٥٧] سابق مرجع

کے نزدیک قابل قبول نہیں جیسے ظلم اور بے پردہ لباس وغیرہ۔ رہی بات جھوٹ اور بہتان کی تو اس سے مراد لوگوں پر جھوٹی تہمت باندھنا ہے۔

شاگرد: شکریہ استاد محترم !اللہ آپ کو بہتر اجر سے نوازے۔ آپ نے ہماری توجہ اس دین اسلام کے اوصاف حمیدہ کی طرف مبذول کرائی جسے اللہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، یہ اوصاف جاہلیت کے اخلاق کے بالکل برعکس ہیں جیسا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت بجالانے، سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے اور حرام کاموں سے بچنے کا حکم دیا اور ناحق خون بہانے یعنی قتل وغارت گری کرنے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ ہمیں سمجھ میں آیا ہے، کیا ہماری سمجھ درست ہے استاد محترم؟

استاد: ہاں آپ نے سہی سمجھا، حرام کاموں اور خوں ریزی سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ہم ان سے بچیں اور خون نہ بہائیں، اگر پہلے ایسا کرتے تھے تو اب ہرگز ایسا نہ کریں۔

شاگرد: لیکن سوال یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی باتیں سننے کے بعد نجاشی نے کیا کہا؟

استاد: نجاشی نے کہا: وہ پیغمبر جو کچھ لے کر آئے ہیں ان میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟

حضرت جعفر نے کہا: ہاں، اس کے بعد سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں... نجاشی کلام الٰہی کی تاثیر سے اس قدر رویا کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ نجاشی کے تمام اساقف بھی حضرت جعفر کی تلاوت سن کر اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہوگئے۔ نجاشی کے اساقف سے مراد وہ وزراء

ہیں جو ان کے پاس موجود تھے۔ نجاشی نے کہا: یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہیں۔ واللہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چل سکتی ہے[٥٨]۔

شاگرد: یہ ایک عمدہ فیصلہ اور نہایت اثر انگیز واقعہ ہے۔ ہمارے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو رہا ہے کہ نجاشی نے کلام الٰہی کے بارے میں یہ بات کیوں کہی کہ یہ کلام اور جو حضرت عیسیٰ لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہیں؟

استاد: بہت خوب! سب سے پہلی بات یہ کہ اس وقت نجاشی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے، جب انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی تلاوت سنی تو کہا کہ یقیناً قرآن کی یہ سورت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا کلام دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہیں۔ شمع دان کا مطلب ہے وہ چراغ جس کے اندر روشنی ہو۔یعنی دونوں کا نزول ایک ہی سمت سے ہوا ہے۔اسے انہوں نے شمع دان سے تعبیر کیا کیوں کہ شمع میں روشنی ہوتی ہے اور کلام الٰہی لوگوں کے لئے نور ہدایت ہے۔

لیکن جب ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین اسلام کا نزول ہوا تو آپ نے تمام سابقہ ادیان کو باطل قرار دے دیا، اب اس دین الٰہی کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں جسے اللہ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اللہ فرماتا ہے: ﴿ وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ ٱلۡإِسۡلَٰمِ دِينٗا فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ٨٥ ﴾ [سورۃ آل عمران:٨٥].

---

[٥٨] سابق مرجع

ترجمہ: جو شخص اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی اور خاتم الرسل ہیں، آپ کے بعد کبھی کوئی نبی نہیں آنے والا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

استاد: حضرت حمزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں، وہ اپنی قوم کے دین پر قائم تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو ان کے قبول اسلام کا سبب بنا۔

شاگرد: استاد محترم! وہ کونسا واقعہ ہے؟

استاد: یہ واقعہ ذکر کرنے سے پہلے ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس وقت عربوں کی کیا حالت وعادت تھی، شکار کرنا اس زمانے میں عربوں کا محبوب مشغلہ تھا، وہ صحرا میں جاتے جہاں کوئی آبادی نہ ہوتی، وہاں چرند وپرند کے جھنڈ ہوتے، وہ انہیں شکار کرتے، پھر پکاتے اور کھاتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ایک دفعہ شکار کی غرض سے نکلے، جب شکار کر کے واپس ہوئے تو ان کی بیوی نے انہیں یہ خبر دی کہ ابو جہل نے صفا پہاڑی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روک کر اذیت اور تکلیف دی ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سنتے ہی غصہ سے آگ بگولا ہو گئے،

وہ گھر میں داخل ہونے کے بجائے مسجد حرام کی طرف چل پڑے، وہاں کعبہ کے پاس قریش کی نشستیں ہوتی تھیں[۵۹]۔

شاگرد: اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتے تھے۔

استاد: ہاں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حمزہ اپنے بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں یہ گوارانہ تھا کہ کوئی انہیں کسی طرح کی کوئی بھی اذیت اور زک پہنچائے۔ ساتھ ہی ابو جہل کی ایذاء رسانی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم مکہ میں اب تک آپ کو اذیت پہنچانے سے باز نہیں آئی تھی اور آپ اب تک ان کی ساری ستم رانیوں پر صبر کر رہے تھے۔

شاگرد: شاید حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ابو جہل سے ہوئی ہو گی؟

استاد: ہاں، انہوں نے ابو جہل کو ایک نشست میں پایا، اس کے سر پر اپنے کمان سے دے مارا، اس پر قریش کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور حضرت حمزہ کو ابو جہل سے دور کیا تا کہ معاملہ طول نہ پکڑے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں دین محمد کا پیروکار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں اپنے اس موقف سے رجوع کرنے والا بھی نہیں ہوں۔ پھر وہاں پر موجود قریشیوں سے مخاطب ہو کر کہا: اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو مجھے اسلام سے روک کر دیکھ لو[۶۰]۔

اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

---

[۵۹] الہیثمی، مجمع الزوائد: (۹/۲۶۷)

[۶۰] سابق مرجع

شاگرد: پاک ہے وہ عظیم ذات جس نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے لئے قبول اسلام کا سبب بنادیا تا کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ملے۔

استاد: سہی کہا آپ نے! یقیناحضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو عزت وتقویت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت وکامیابی ملی۔ کیوں کہ اس سے قریش کے اندر خوف اور ہیبت کاماحول پیدا ہو گیا اور انہیں یہ یقین ہو چلا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اب کسی بھی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاءرسانی پر خاموش نہیں رہ سکتے۔

آپ غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے ساتھ کس قدر صبر وتحمل کارویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ وہ یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یقیناصبر کا بدلا فتح وکامرانی ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

استاد: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی جاہلیت کے دنوں میں دوسرے قریشیوں کی طرح ہی اسلام کے دشمن اور باغی تھے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی حکمتوں کی بنیاد پر ہدایت سے نوازتا ہے۔

شاگرد: جب وہ اسلام کے دشمن تھے تو آخر ان کی رائے بدلی کیسے؟

استاد: میرے عزیزو! توفیق اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے، وہی دلوں کو پھیرتا اور ان کی اصلاح فرماتا ہے، اس لئے ہمیں اللہ تعالی سے یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ ہمیں نیک صالح بنائے، ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے اور ہمیں اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔

ام عبد اللہ بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: واللہ ہم سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کر رہے تھے جہاں مسلمانوں نے ہجرت کیا تھا جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل جان چکے ہیں۔ ام عبد اللہ کہتی ہیں کہ: ہم تیاری میں لگے تھے کہ عمر میرے دروازے پہ آدھمکے جب کہ ابھی وہ اپنے شرک پر باقی ہی تھے اور ہمیں دن رات ان کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا تھا[٦١]۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے ان بھائیوں کے پاس سفر کر رہے تھے جنہوں نے حبشہ ہجرت کی تھی۔

استاد: ہاں، جن کو بھی اپنی قوم کے ظلم وجور کا ڈر تھا وہ سفر کر رہے تھے، سوائے ایسے لوگوں کے جنہیں اللہ کی طرف سے اپنی قوم میں قوت وہیبت حاصل تھی جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

شاگرد: یہ اسلام لانے والے صحابہ کرام کے فتنہ وآزمائش کی صورت حال ہے۔ لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے والے صحابہ کرام کے اوپر ہونے والے مشق ستم کو دیکھا تو رب سے دعا کیا اور فرمایا: اے اللہ! تو اسلام کو ابو جہل بن ہشام یا عمر کے ذریعہ عزت وسربلندی عطا فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ: اگلی صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے)[٦٢]۔یعنی دوسرے ہی دن وہ مسلمان ہو گئے۔

---

[٦١] احمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ: (١/٢٧٩)

(٦٢) ترمذی: (٥/٥٧٧) حدیث نمبر: (٣٦٣٨)

شاگرد: سبحان اللہ العظیم الکریم، اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا فوراً قبول فرمائی۔

استاد: یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے محبوب تھے اور آپ کی دعا رب کے نزدیک فوراً قبول ہوتی تھی، اس کے اندر اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں ایک خاص مقام و مرتبہ رکھتے تھے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اسلام کو ابو جہل یا عمر کے ذریعہ عزت و سربلندی عطا کر اور اس دعا کے نتیجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ یقینی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو تقویت ملی ہوگی، کیا ایسا نہیں ہے استاد محترم؟

استاد: یقیناً ایسا ہی ہے۔ مسلمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ: (حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد سے ہم عزت اور قوت کے ساتھ رہنے لگے)[٦٣]۔

آپ غور کریں کہ کس طرح قبیلہ قریش کے صرف دو شخص کے اسلام لانے سے مسلمانو ں کی آزمائشیں ختم ہونے لگیں، وہ دونوں حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿إِنَّ مَعَ ٱلۡعُسۡرِ يُسۡرٗا ٦﴾ [سورۃ الشرح:٦].

ترجمہ: بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

---

[٦٣] بخاری: (٣/٥٧) حدیث نمبر: (٣٨٦٣)

اسی لئے ہمیں زندگی کے پیش آمدہ مصائب پر صبر وشکیبائی سے کام لینا چاہئے ، کیوں کہ اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے ، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾﴾ [سورة البقرة:١٥٣].

ترجمہ: اللہ تعالی صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ہمیں مایوسی سے بھی بچنا چاہئے ، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم نے اس قدر اذیتیں اور تکلیفیں دیں اس کے باوجود آپ مایوس نہیں ہوئے۔

اس لئے کبھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اللہ تعالی ہر ایک چیز کا مالک ہے، تو ہم بھلا کیوں مایوس ہوں جب کہ اللہ ہمارے بارے میں ہر ایک چیز سے واقف ہے۔

شاگرد: واللہ ہم مایوس نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے صبر وتحمل کی تعلیم لینی چاہئے۔

شعب ابی طالب کی محصوری:

استاد: جب قریش نے محسوس کیا کہ اسلام دن بدن قبیلوں کے درمیان مقبول ہوتا جارہا ہے اور ملک حبشہ کو ہجرت کرنے والے صحابہ اللہ تعالی اور اس کے بعد حبشہ کے بادشاہ کی جانب سے امن وامان میں ہیں،

اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اسلام قبول کر چکے ہیں، تو انہیں محسوس ہونے لگا کہ اسلام مضبوط ہونے لگا ہے، اس لئے کفار قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا[۶۴]۔

شاگرد: یہ تو بڑا سنگین اور خطرناک معاملہ ہے کہ وہ ایسی منصوبہ بندی کریں۔

استاد: ہاں، بالکل یہ ایک سنگین اور عظیم معاملہ ہے، لیکن اللہ تعالی ہی حقیقی نگہبان، محافظ اور مددگار ہے اور وہی منصوبوں کو ناکام بنانے کے اسباب پیدا کرتا ہے۔

شاگرد: ماشاء اللہ ولا قوۃ إلا باللہ۔ یقینا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی اذیتوں پر جو صبر کیا اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کو لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل ہونے لگی، کیوں کہ دھیرے دھیرے قریش کے بااثر اور صاحب رسوخ حضرات اسلام میں داخل ہونے لگے۔

لیکن استاد محترم! ہم شعب ابی طالب کی محصوری کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔

استاد: شعب کے معنی ہوتے ہیں دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ (گھاٹی)، پہاڑوں کی کثرت کے سبب مکہ کے اکثر و بیشتر خطے انہیں گھاٹیوں پر مشتمل ہیں۔ محصوری کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کہیں آنے جانے سے روک دیا جائے، یا ان کے پاس کوئی چیز پہنچنے نہ دی جائے جیسے اشیاء خورد و نوش وغیرہ۔

[۶۴] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۱/ ۳۸۰-۳۷۵) (۲/ ۲۲-۱۴) ابن حجر، فتح الباری: (۷/ ۱۹۳-۱۹۲)

شاگرد: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ قریش ان کے قتل کا منصوبہ بنارہے ہیں تو آپ کا ردعمل کیا تھا؟

استاد: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اس کی خبر لگی تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور اس سلسے میں مشورے لئے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے ابو طالب کی بات مان لی، یہاں تک کہ ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے بھی قرابت اور خاندانی حمیت کی بنیاد پر ابو طالب کا ساتھ دیا، سوائے ابو لہب کے ، وہ دوسرے معاندین قریشیوں کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ کفار قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کردیا اور یہ واقعہ یکم محرم سنہ ۷ بعثت نبوی کو پیش آیا[٦٥]۔

شاگرد: استاد محترم! آپ نے بتایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی بات مان لی یہاں تک کہ ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے بھی حمیت کی بنیاد پر ان کا ساتھ دیا۔ حمیت سے کیا مراد ہے؟

استاد: حمیت کے معنی یہ ہیں کہ قبیلے کے افراد باہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور یہ صرف اس لئے کریں کہ قبیلے کی مدد ہو سکے نہ کہ اس لئے کہ حق فتح یاب ہو۔ ایسی حمیت زمانہ جاہلیت کی ایک عام عادت تھی۔

---

[٦٥] سابقہ مراجع

لیکن اسلام نے بعد میں اس کو باطل قرار دے دیا، اور اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کی ناحق مدد کرے، اسلام نے زمانہ جاہلیت کی جانبدارانہ حمیت کو باطل قرار دیا جس کی بنیاد پر لوگ محض خاندانی حمیت میں مظلوم کے خلاف ظالم کی مدد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے[۲۲]۔

شاگرد: اسلام کتنا اچھا مذہب ہے جو لوگوں کو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔

استاد: جب مشرکوں کے درمیان اس محصوری پر اتفاق ہو گیا تو انہوں نے اس اتفاق کو ایک صحیفہ میں تحریر کیا اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا تاکہ وہ اس اتفاق سے مکر نہ سکیں۔

شاگرد: مسلمان اس محصوری سے کیسے نمٹے ؟

استاد: شعب ابی طالب کی یہ محصوری دو یا تین سال تک جاری رہی۔ مسلمان اور ان کے حلفاء نے اس ظالمانہ حصار پر صبر و تحمل سے کام لیا، ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں نہیں پہنچتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں درخت کے پتے چبا کر زندگی گزر بسر کرنی پڑی۔

شاگرد: استاد گرامی! یہ ایک لمبی مدت ہے۔

استا: ہاں صبر و تحمل اور حصار و پابندی کی یہ مدت اتنی لمبی تھی کہ خود کفار قریش کے ایک شخص ہشام بن عمرو بن الحارق العامری سے رہا نہ گیا، انہیں محصوری کا یہ صحیفہ پسند نہ تھا، وہ چوری چھپے شعب ابی طالب

---

[۲۲] اس موقع کو غنیمت جان کر استاد کو چاہئے کہ بچوں کے سامنے باہمی تعاون کی غلط شکلوں کو واضح کریں' اور آپسی تعاون کی جو درست صورتیں ہو سکتی ہیں ان پر روشنی ڈالیں اور اس سلسلے میں ان کی زندگی سے کچھ ایسی مثالیں پیش کریں جن کے ذریعہ معلوم ہو سکے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور کس چیز سے بچنا چاہئے۔

میں کھانے پینے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے، یہ شخص ایک ایک کرکے کفار قریش سے ملا اور ان سے بات چیت کی، یہاں تک کہ ان تمام لوگوں کے اتفاق سے اس ظالمانہ صحیفہ کو چاک کیا گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ پورے صحیفہ کو زمین کھا گئی سوائے اللہ تعالی کے نام کے [٦٧]۔

شاگرد: یہ ایک دشوار کن مرحلہ تھا۔ لیکن اللہ تعالی نے ہشام بن عمرو کے دل میں رحمت ڈال دی تاکہ وہ صحیفہ چاک کرنے میں معاون ثابت ہوسکے۔

استاد: یقیناہر ایک چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے صحیفہ چاک کرنے کو آسان فرمایا اور اس صحیفے میں موجود تمام ظالمانہ فیصلوں کو زمین کھا گئی اور اس میں صرف اللہ تعالی کا نام باقی رہ گیا۔ اس واقعہ سے ہمیں ابتلاء وآزمائش پر صبر کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بھی سیکھ ملتی ہے کہ اللہ تعالی نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو آزمائشوں سے دوچار کیا اسی طرح دیگر مسلمان بھی آزمائش سے دوچار ہوسکتے ہیں، نیز یہ کہ ابتلاء وآزمائش کا مطلب ہمیشہ یہی نہیں ہوتا کہ اللہ بندہ سے ناراض اور خفا ہے، بلکہ اللہ تعالی قیامت کے دن بندہ کے درجات کو بلند کرنے کے لئے اسے دنیا میں آزمائش سے دوچار کرتا ہے تاکہ پریشانی کے بعد اسے آسانی اور خوش نصیبی حاصل ہو [٦٨]۔

---

[٦٧] سابقہ مراجع

[٦٨] استاد کو چاہئے کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والی مصیبت وآزمائش کو ذکر کرے اور بتائے کہ اس طرح کی آزمائش سے کیسے نمٹنا چاہئے اور کس طرح اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

ابو طالب کی وفات اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جوار رحمت میں:

استاد: مسلمان ابھی شعب ابی طالب سے نکلے ہی تھے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد ابو طالب وفات پا گئے اوراس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں[۶۹]۔

شاگرد: یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امتحان اور آزمائش کی گھڑی تھی۔

استاد: بالکل، مصیبتیں بہ طور آزمائش ہی ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور بیوی کی وفات آپ کے لئے آزمائش ہی تھی، بہ طور خاص اس لئے کہ آپ کے چچا کا قریش میں ایک خاص مقام و مرتبہ تھا اور وہ ہر طرح سے آپ کی حمایت اور حفاظت کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگساری کرتی اور مشکل حالات میں آپ کو صبر کی تلقین کرتی، وہ آپ کے لئے اللہ تعالی کی گراں قدر نعمت اور بہترین بیوی تھی۔ رضی اللہ عنہا۔ لیکن اللہ تعالی کی تقدیر پر ہمیں صبر کرنا چاہئے۔

ان دونوں الم انگیز حادثے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں غم والم کے احساسات موجزن ہو گئے، یہاں تک کہ اس سال کو غم کا سال کہا جانے لگا، بہ طور خاص اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے چچا ابو طالب باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب رکھتے اور آپ کی حمایت اور بچاؤ کرتے تھے، انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا کوششیں کی کہ آپ اسلام لے آئیں،

---

[۶۹] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۲/۵۸-۵۷)

یہاں تک کہ زندگی کی آخری گھڑی میں بھی آپ نے ابو طالب کو اسلام کی دعوت دی لیکن کفار قریش انہیں آباء واجداد کے مشرکانہ دین پر باقی رہنے پر اکساتے رہتے جس کے نتیجے میں وہ قبول اسلام سے گریزاں رہے۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دفاع کرنے کے باوجود اسلام قبول کرنے سے محروم رہے۔

استاد: ہاں، چوں کہ ان کے ساتھ جو کفار قریش رہا کرتے تھے وہ انہیں شرکیہ دین پر قائم رہنے کے لئے ورغلایا کرتے تھے اس لئے انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس لئے ہمیں ایسی صحبت بد کے فتنوں سے بچنا چاہئے جو انسان کو اللہ تعالی کی نافرمانی پر ابھارے۔

ہم اللہ تعالی کی حمد بیان کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، اسلام ایک بڑی نعمت ہے، یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی ہدایت کے لئے حرص مند تھے تو اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ۝٥٦﴾ [سورة القصص:٥٦].

ترجمہ: آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالی ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔

طائف کا سفر:

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کی ایذاء رسانیاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھک ہار کر طائف کی طرف نکل پڑے کہ ہو نہ ہو قبیلہ ثقیف کا کوئی فرد آپ کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور دین اسلام قبول کر لے۔

شاگرد: کیا طائف کے سفر میں صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ تھے؟

استاد: نہیں بلکہ آپ نے طائف کا سفر اکیلے ہی کیا، کسی کو اس کی خبر بھی نہیں لگنے دی کہ کہیں مشرکین راہ میں روڑے نہ ڈالنے لگیں یا بنی ثقیف کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں نہیں۔

شاگرد: گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کردہ یہ نسخہ تفکر بہت اہم ہے، لیکن کیا طائف میں قبیلہ ثقیف نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی تھے اور جن کے نام یہ تھے: عبد یالیل بن عمر بن عمیر، مسعود اور حبیب۔ آپ صلی اللہ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی دعوت دی، لیکن انہوں نے نہ تو آپ کی دعوت قبول کی اور نہ ہی آپ کی مدد کے لئے تیار ہوئے۔ آپ نے ان سے یہ گزارش کی کہ آپ

کی آمد کی خبر کو پس پردہ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مکہ مکرمہ میں آپ کی قوم کو اس کی خبر لگ جائے اور انہیں آپ کے خلاف سازش اور بغاوت کا موقع مل جائے (۷۰)۔

شاگرد: بخدا یہ ایک انتہائی مشکل گھڑی تھی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبر و تحمل کے ساتھ ان تمام مشکلات سے نمٹتے رہے۔

استاد: سہی بات ہے کہ یہ بہت مشکل امر ہے کہ آپ کسی کے پاس کچھ امید لے کر جائیں اور ٹھکرا دئے جائیں۔ بہ طور خاص تکلیف کی بات یہ ہے کہ آنے والے اللہ کے نبی تھے، آپ ان سے مال و دولت اور دنیا طلب کرنے بھی نہیں آئے تھے، بلکہ آپ ان کے پاس اللہ تعالی کے نازل کردہ حق کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ لیکن اللہ تعالی نے ان واقعات کو ہمارے لئے باعث عبرت بنادیا تاکہ ہم صبر و شکیبائی کو لازم پکڑیں اور سنگین حالات میں بھی مایوسی کے شکار نہ ہوں۔ ورنہ اللہ تعالی اس بات پر قادر تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہایت آسان بنادیتا۔ لیکن اللہ تعالی ہمیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کن مشکلات کا سامنا کیا، کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر اور جاں فشانی سے کام لیتے رہے تاآنکہ آپ کو کامیابی ملی لیکن کبھی آپ نے مصائب اور آزمائشوں سے ہار مان کر سپر نہیں ڈالا۔

ہمیں بھی دشوار کن حالات اور مصائب و مشکلات سے گھبرا کر ہار نہیں ماننا چاہئے، بلکہ صبر و تحمل کا دامن تھام کر محنت و لگن سے اپنا کام کرتے رہنا چاہئے اور اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی سے مدد طلب کرنا چاہئے اور اسی پر توکل اور بھروسہ رکھنا چاہئے۔

---

(۷۰) سابق مرجع

شاگرد: جب طائف والوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرادیا تو آپ کا ردعمل کیا رہا؟

استاد: انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرانے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اپنے اوباشوں کو شہ دی اور غلاموں کو آپ کے خلاف ورغلایا کہ آپ پر پتھر چلائیں، آپ کو گالیاں دیں اور شور مچائیں، دیکھتے دیکھتے لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ بدمعاشوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ آپ ایک چہار دیواری کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے جس کے اندر ایک باغیچہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پناہ لے لی تو بدمعاش اور اوباشوں کی بھیڑ واپس چلی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔

شاگرد: واللہ یہ نہایت ہی الم ناک بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے حادثہ سے دوچار ہوں۔

استاد: ہاں یہ ایک نہایت ہی الم ناک حادثہ ہے۔ لیکن دین اسلام ہم سے اللہ کی اطاعت اور ہر طرح کی مشکلات پر صبر و تحمل سے کام لینے کا تقاضہ کرتا ہے، ہمیں نماز ادا کرنے پر صبر سے کام لینا چاہئے اور سستی اور غفلت میں نماز ترک نہیں کرنا چاہئے، راست گوئی پر صبر کرنا چاہئے اور جھوٹ نہیں بولنا چاہئے، دین کی تعلیمات اور مسائل کو سیکھنے کے لئے صبر سے کام لینا چاہئے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو صبر و تحمل کے ساتھ یاد کرنا چاہئے، والدین کی فرمانبرداری اور تمام احکام الہی کی بجاآوری پر صبر کا دامن تھامے رہنا چاہئے، زندگی میں درپیش مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے صبر اور جاں فشانی کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور تمام تر نشاط و دلچسپی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہنا چاہئے۔

شاگرد: استاد گرامی! آپ نے بجا فرمایا۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر غم کو جھیلا اور تمام تکلیفات برداشت کیں تو ہمارے اوپر بھی واجب ہوتا ہے کہ ہم احکام الٰہی کی تابع داری اور اطاعت الٰہی کی بجا آوری پر صبر سے کام لیں۔

استاد: بالکل درست۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے جو کہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت میں تھا اور آپ کو قدرے اطمینان ہوا تو آپ دعا میں مصروف ہوگئے، اس دعا کا ایک فقرہ یہ تھا: (اللہم أشکو إلیک ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا أرحم الراحمین أنت رب المستضعفین وأنت ربی.....)[٧١]۔ ترجمہ: بار الٰہا! میں تجھ سے ہی اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے سامنے کئے گئے اس شکوہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے، آپ نے رب سے اپنی کمزوری اور بے بسی کی شکایت کی اور یہ التجا کی کہ اے ارحم الراحمین! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔

شاگرد: استاد محترم ہمیں اس سے ایک اچھا درس ملتا ہے کہ جب بھی ہمیں مشکلات کا سامنا ہو یا ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں اور اسی سے اپنی حاجت طلب کریں جیسا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

[٧١] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٢/ ٦٢)

استاد: بہت خوب میرے عزیزو! یقینا دعا ایک عظیم عبادت ہے، ہمیں اپنی تمام ضرورتیں اللہ سے ہی طلب کرنی چاہیئے۔

شاگرد: اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغیچہ میں کیا کیا؟

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے تو عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ نے اپنے غلام عداس سے کہا جو کہ نصرانی تھا کہ انگور کا ایک خوشہ اس پلیٹ میں رکھ کر اس شخص کو دے دو۔

عداس نے انگور کا ایک خوشہ توڑا اور اسے پلیٹ میں رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ کھاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بسم اللہ کہا، اس پر عداس بول پڑا کہ یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کس ملک کے رہنے والے ہو عداس! اور تمہارا دین کیا ہے؟ عداس نے جواب دیا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: نیک وصالح انسان یونس بن متی کی بستی نینوی؟ اس پر عداس چونک کر بولا: آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے پتا؟ اللہ کے رسول گویا ہوئے: وہ میرے بھائی تھے، وہ اللہ کے نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سنتے ہی عداس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

یہ دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹے نے آپس میں کہا: لو اب اس شخص نے ہمارے غلام کو بگاڑ دیا۔ اس کے بعد جب عداس واپس گیا تو دونوں نے اس سے کہا: اجی یہ کیا معاملہ تھا؟ اس آدمی کے سر اور ہاتھ پاؤں تم

کیوں چوم رہے تھے؟ اس نے کہا: میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان دونوں نے کہا: دیکھو عداس کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے پھیر نہ دے۔ کیوں کہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے[٧٢]۔

شاگرد: انہوں نے کس بنیاد پر عداس سے یہ بات کہی کہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے؟

استاد: کیوں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے ناواقف تھے اور سمجھے اور جانے بنا ہی بول رہے تھے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم غم والم سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑے، آپ کا بیان ہے کہ: مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ قرن ثعالب طائف اور مکہ کے درمیان ایک خطہ کا نام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھے پکار کر کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ سے جو بات کہی اللہ نے اسے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات یہی ہے۔ اب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو چاہیں، اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا.....)[٧٣]۔

---

[٧٢] سابق مرجع

[٧٣] بخاری: (٢/٤٢٩-٤٢٨) حدیث نمبر: (٣٢٣١)

آپ کی توقع کے حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے بارے میں کیا فیصلہ لیا ہو گا جنہوں نے آپ کو مارا پیٹا اور اذیتیں دی تھی؟ کیا آپ نے یہ کہا ہو گا کہ: ہاں انہیں دو پہاڑوں (اخشبین) کے درمیان کچل دیا جائے۔ "اخشبان" حرم مکی کے قریب مکہ کے دو پہاڑ ہیں۔ یا آپ نے انہیں معاف کر دیا ہو گا اور ان کے رویوں پر صبر کرتے ہوئے ان کے اسلام لانے کی کوشش جاری رکھی ہو گی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ سے کہا: نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی[۷۴]۔

یعنی کہ آپ نے فرشتہ سے کہا کہ انہیں پہاڑوں کے درمیان کچلا نہ جائے بلکہ انہیں مہلت دی جائے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی ان کی نسل میں سے موحدین پیدا کر دے۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالی انہیں ہلاک کر دیتا تو وہ سب کے سب نیست و نابود ہو جاتے اور ان کی نسل باقی نہ رہتی، لیکن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے انتقام لینے کی نہیں سوچی، بلکہ آپ کو ہمیشہ یہ فکر لاحق ہوتی کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کر کے جہنم سے کیسے بچایا جائے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی تھی جسے اللہ نے فورا قبول فرمایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیج دیا۔

شاگرد: یقینا یہ ایک بڑا اہم اور عظیم حادثہ تھا۔

---

[۷۴] سابق مرجع

استاد: طائف سے لوٹتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ نامی خطہ میں فروکش ہوئے اور آدھی رات کو قیام اللیل کے لئے کھڑے ہوگئے، اس دوران آپ کے پاس سے جنوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا اور انہوں نے آپ کو نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور ایمان لے آئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنوں کی یہ جماعت اپنی قوم کے پاس عذاب الٰہی سے ڈرانے والے بن کر پلٹی ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ ٱلْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقُرْءَانَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا۟ أَنصِتُوا۟ ۖ فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا۟ إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٢٩﴾﴾ [سورة الأحقاف:٢٩].

ترجمہ: اور جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیرا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ (تلاوت) قرآن کی جگہ پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ چپ ہو جاؤ، پھر جب اس کی تلاوت پوری کی جاچکی تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والے بن کر لوٹے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب آپ کی قوم نے آپ کی راہ میں روڑے ڈالے اور آپ کی دعوت کو ٹھکرادیا تو کس طرح اللہ نے جنوں کو آپ کی تلاوت سننے کے لئے مسخر فرمادیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان بھی لے آئے۔

شاگرد: یقیناً یہ دین الٰہی کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری اور قربانی ہی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معیت اور نصرت سے سرفراز فرمایا۔

اسراء و معراج:

استاد: طائف جہاں کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازیبا حرکات اور بدسلوکی کی، وہاں سے آنے کے بعد اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا۔

شاگرد: معذرت کے ساتھ استاد محترم! اسراء اور معراج کے معنی کیا ہوتے ہیں۔

استاد: کلمہ اسراء یسري سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں رات کے وقت سفر کرنا۔ رہی بات معراج کی تو یہ کلمہ عروج سے ماخوذ ہے جس کے معنی بلندی کی طرف چڑھنے کے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو واقعات پیش آئے: ایک یہ کہ: اسراء اور وہ ہے رات کے وقت مکہ سے بیت المقدس کا سفر، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ١﴾ [سورۃ الإسراء:١].

ترجمہ: پاک ہے وہ اللہ تعالی جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقینا اللہ تعالی خوب سننے والا ہے۔

دوسری چیز جو آپ کے ساتھ پیش آئی وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کے سفر پر لے جایا گیا جسے معراج کہتے ہیں۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں ہی حادثے رونما ہوئے: پہلا: راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی کا سفر۔ دوسرا: زمین سے آسمان کا سفر معراج۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکا استاد محترم؟ آپ ذرا اس عظیم حادثے کی کچھ مزید وضاحت کر دیں۔

استاد: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے براق لایا گیا، یہ ایک سفید اور لمبے قد کی سواری تھی جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی[۷۵])۔ حدیث کے اس ٹکڑے سے پتہ چلتا ہے کہ جس سواری پر آپ سوار ہوئے اس کا نام براق ہے، اس کا رنگ سفید تھا، اس کی قد و قامت طویل تھی، وہ گدھے سے بڑی اور گھوڑے سے مشابہت رکھنے والے خچر سے چھوٹی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کی صفت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا: (وہ اتنا تیز چلتا کہ اپنا کھر اٹھاتا تو آخری حد نگاہ پر ہی اسے زمین پر رکھتا)[۷۶]۔ کھر گھوڑے کے پاؤں کے آخری سرے کو کہتے ہیں جسے گھوڑا چلتے ہوئے زمین پر رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہایت تیزی سے برق رفتاری کے ساتھ چلتا ، جب اپنا پاؤں زمین سے اٹھاتا تو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے اپنی آخری حد نگاہ پر اسے زمین پر رکھتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا، آپ کا بیان ہے: براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا جہاں انبیاء کرام باندھا کرتے تھے) یعنی اسے اسی حلقہ سے باندھا جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا بیان ہے: پھر میں

---

[۷۵] مسلم: (۱/۱۴۵) حدیث نمبر: (۱۶۲-۲۵۹)

[۷۶] سابق مرجع

نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی) اس کے بعد اسی رات آپ کو حضرت جبرئیل آسمان دنیا تک لے گئے۔

شاگرد: یہ ایک دلچسپ سفر تھا، ہے نا استاد محترم؟

استاد: یقینا یہ ایک دلچسپ سفر تھا، فضل الہی سے جس کے آپ مستحق تھے، کیوں کہ آپ کی قوم نے آپ کا مزاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ: آپ جادوگر، مجنوں اور کاہن ہیں اور مشرکوں نے آپ کے جسد اطہر پر اونٹ کے اوجھ پھیکے تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں دی تھی، مسلمانوں کو ہجرت حبشہ پر مجبور کر دیا تھا، آپ نے شعب ابی طالب کی محصوری جھیلی تھی، اس کے بعد آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تھا، بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئی تھیں اور آپ نے طائف والوں سے بے رخی اور دربدری کا سامنا کیا تھا۔ ان تمام مشکلات، آزمائشوں اور ستم رانیوں کا سامنا کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنے اکرام اور انعام سے نوازتے ہوئے اس عظیم الشان سفر (اسراء اور معراج) سے سرفراز فرمایا۔

شاگرد: شاید آپ ہمیں معراج اور اسراء کے سفر کی تفصیل بھی بتانے والے ہیں استاد گرامی؟

استاد: اللہ تعالی نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ آسمان سات ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَقَضَىٰهُنَّ سَبۡعَ سَمَٰوَاتٖ ﴿١٢﴾﴾ [سورۃ فصلت:۱۲].

ترجمہ: پس سات آسمان بنادئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے آسمان دنیا پر لے جایا گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے نگہبان (فرشتہ) سے کہا: دروازہ کھولو۔ فرشتہ نے کہا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں جبرئیل ہوں۔ فرشتہ نے کہا: کیا آپ کے ساتھ اور بھی کوئی ہیں؟ جبرئیل نے کہا: ہاں، میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتہ نے کہا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں، جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمان دنیا پر چڑھے، ہم نے وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا[۷۷]۔ حضرت آدم ابوالبشر ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے حضرت حواء کو ان کی بیوی بنایا اور ان سے آدم کی اولاد کا سلسلہ چل پڑا اور ان کی نسل بڑھی، اس لئے پوری انسانیت کا سلسلہ نسب حضرت آدم اور حواء سے جاکر ملتا ہے۔

شاگرد: استاد محترم! کیا ہر آسمان پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں؟

استاد: ہاں اللہ تعالی نے اس جہان کو بہت خوبصورت اور محکم انداز میں منظم فرمایا ہے، اس کی ایک شکل یہ ہے کہ ہر آسمان پر کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ یقیناً اللہ تعالی حکمت اور عظمت والا ہے۔

شاگرد: اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے؟

استاد: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ دوسرے آسمان کے فرشتہ نے بھی حضرت جبرئیل سے وہی بات کہی جو پہلے آسمان کے نگہبان نے کہی تھی۔ حضرت جبرئیل نے انہیں بتایا

---

[۷۷] بخاری: (۱/ ۱۳۲) حدیث نمبر: (۳۴۹)

کہ آپ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہیں بلایا گیا ہے۔ معراج کے اس سفر میں آپ نے حضرت آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم صلوات اللہ وسلامہ علیہم سے ملاقات کی[۴۸]۔

اللہ تعالی نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر اسی سفر میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان پنج وقتہ نمازوں کی کیا اہمیت ہے جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان میں فرض کیا گیا۔

اس سفر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو دیکھا اور اس میں داخل ہوئے۔

اس سفر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بلند مقام ومرتبہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی، آسمان کے سفر پر گئے، انبیاء کرام کا دیدار فرمایا، جنت کو دیکھا اور اس میں داخل ہوئے اور اسی عظیم الشان سفر میں آپ پر نمازیں فرض کی گئیں۔

آپ غور کریں کہ اللہ نے اپنے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح اجر وثواب اور انعام واکرام سے نوازا جنہوں نے اذیتوں پر صبر کیا، رب تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری کی، بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا اور اپنی قوم کی ستم رانیوں کو برداشت کرتے رہے۔ اسی طرح اگر ہم بھی اللہ کی اطاعت کریں اور رب کے احکام واوامر کے تابعدار رہیں تو ہمیں بھی دنیا اور آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوں گی، ہم توفیق الہی سے بہرہ

---

[۴۸] سابق مرجع

مند ہوں گے اور ہر طرف سے ہمارے اوپر برکت کی بارش ہو گی۔ گویا اطاعت الٰہی پر قائم رہنا ہماری زندگی میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے[۷۹]۔

[۷۹] استاد اس موقع پر اللہ کی اطاعت و بندگی کے فوائد اور اس پر مرتب ہونے والے اجر و ثواب کے بارے میں مزید تفصیلی گفتگو کر سکتے ہیں اور والدین کی فرمانبرداری، عبادت کی ادائگی، خوف ورجاء، حسن اخلاق کی پاسداری اور برے اخلاق سے اجتناب کی مثالیں دے کر اس امر کی وضاحت کر سکتے ہیں۔

قبائل کو اسلام کی دعوت:

استاد: طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہیں ہوئے، بلکہ آپ نے حج کے لئے مکہ آنے والے قبائل کے درمیان اور عرب کے بازاروں میں جا جا کر اسلام کی دعوت دینا شروع کر دیا۔

شاگرد: کیا اس زمانے میں بھی عرب کے اندر بڑے بڑے بازار ہوا کرتے تھے؟

استاد: ہاں، عرب میں بہت بڑے بڑے بازار تھے، جہاں مکہ اور مکہ کے باہر سے تجار کی آمد ہوتی تھی، کوئی سامان بیچنے تو کوئی خریدنے کے لئے آتا، اور ان میں سے کچھ لوگ خرید و فروخت دونوں کام کرتے۔ عکاظ، ذی المجاز اور مجنہ عربوں کے مشہور ترین بازار تھے، کچھ شعراء ان بازاروں میں آکر لوگوں کو اپنے اشعار سناتے اور لوگ انہیں اپنے اپنے قبیلے میں جا کر بیان کیا کرتے تھے۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کو کیسے اسلام کی دعوت دیتے تھے؟

استاد: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے: اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، جب تک تم میری بات نہیں مانو گے تب تک میں تمہیں اللہ کا دین پہنچاتا رہوں گا)[۸۰]۔

---

[۸۰] احمد، المسند: (۳/۴۹۲)

آپ ان سے یہ بھی کہتے کہ: (اے لوگو: لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے)[٨١]۔

آپ ان سے یہ بھی فرماتے: (کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں، اسے اس کے بدلے جنت ملے گی)[٨٢]۔

آپ غور کریں کہ ربیعہ بن عباد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورت حال کو کس طرح بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے ذی المجاز (بازار) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو دین الہی کی دعوت دے رہے ہیں اور آپ کے پیچھے ایک بھینگا شخص یہ ندا لگائے جارہا ہے: یہ شخص تمہیں اپنے معبودوں کے دین سے پھیر نہ دے، میں نے کہا: یہ کون آدمی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ: یہ ان کے چچا ابو لہب ہیں[٨٣]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس جاتے اور انہیں بتاتے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کا چچا ابو لہب آپ کے پیچھے پڑا رہتا اور لوگوں کو آپ سے برگشتہ کرتے ہوئے کہتا کہ: یہ تمہیں اپنے بت پرستانہ دین سے نکال نہ دے، ابو لہب بھینگا پن کا شکار تھا، یعنی اس کی ایک آنکھ ترچھی تھی جس کی وجہ سے وہ دیکھتا کہیں اور اس کی آنکھ کہیں اور نظر آتی۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ آپ کا چچا ابو لہب دعوت کی راہ میں آپ کو تکلیف اور اذیت پہنچاتا تھا؟

---

[٨١] احمد، المسند: (٣/٤٩٢)
[٨٢] احمد، المسند: (٣/٣٢٤-٣٢٣)
[٨٣] احمد، المسند: (٣/٤٩٢)

استاد: ہاں، آپ کے چچا اور دوسرے لوگ بھی دعوت کی راہ میں آپ کو اذیت دیتے اور لوگوں سے کہتے کہ اس کی بات نہ ماننا۔

شاگرد: جب مشرکین آپ کو اس طرح تنگ کرتے اور زک پہنچاتے تو آپ ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان نہایت پختہ تھا، آپ اپنی دعوت میں بالکل پر عزم اور سنجیدہ تھے، ان مشکلات سے آپ بالکل نہیں گھبراتے بلکہ انہیں نظر انداز کرکے اپنے مشن میں لگے رہتے، ایک کے بعد دوسرے قبیلے کے پاس تشریف لے جاتے اور بدسلوکی کرنے والے کی طرف نظر التفات نہ اٹھاتے۔ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا کی پیروی کرتے ہوئے یہی رویہ اپنانا چاہیئے اور جو ہمارے ساتھ بداخلاقی سے پیش آئیں، ان سے جھگڑا لڑائی میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے انہیں نظر انداز کرتے رہنا چاہیئے۔

شاگرد: استاد محترم یہ بہت اچھی بات ہوگی کہ جو ہمیں اچھے کام اور محنت ولگن سے روکنا چاہیں ہم ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ اپنے مشن کو ترک کریں، بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ کر ہمیں خیر کے کاموں میں پیش قدمی کرتے رہنا چاہیئے۔

استاد: ہمیں بھلائی کے کام کو جاری رکھنا چاہیئے کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں دوسروں کی بھلائی پسند نہیں ہوتی۔ بلکہ انہیں شر انگیزی اور بداخلاقیاں ہی محبوب ہوتی ہیں۔ ہمیں ان پر دھیان نہیں دینا چاہیئے، بلکہ ہمیں اخلاق فاضلہ کی طرف بڑھتے رہنا چاہیئے جیسا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ آپ اپنی دعوت کو ترک کرنے کے بجائے ان لوگوں سے اعراض برتنے میں عافیت محسوس کرتے جو آپ کی دعوت کو ناکارہ بنانے کی ناپاک کوشش کرتے۔

شاگرد: کیا ہمارے نبی اور حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو کسی نے قبول بھی کیا؟

استاد: جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو کبھی نہیں چھوڑا بلکہ ایک کے بعد دوسرے قبیلے اور ایک شخص کے بعد دوسرے شخص کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دیتے، انہیں میں ایک قافلہ مدینہ منورہ کا بھی تھا، جن کا نام بعد میں انصار پڑا، اس لئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سوید بن الصامت الانصاری سے ہوئی جو مدینہ سے حج کے لئے مکہ آئے تھے، آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، سوید نے کہا: یہ تو اچھی اور بھلی بات ہے۔ اس کے بعد سوید مدینہ آگئے اور ان کا قتل ہوگیا[٨٤]۔

شاگرد: کیا وہ مسلمان تھے؟

استاد: ان کی قوم کے لوگ کہتے تھے کہ: ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا قتل حالت اسلام میں ہوا ہے[٨٥]۔

اس واقعہ کے بعد قبیلہ اوس کا ایک وفد مکہ آیا، یہ لوگ خاندان بنی الاشہل سے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی خبر ہوئی، آپ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا[٨٦]۔

---

[٨٤] ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ: (٢/٦٩-٦٧)
[٨٥] سابق مرجع
[٨٦] سابق مرجع: (٢/٦٩)

شاگرد: کیا انہوں نے اسلام قبول کیا؟

استاد: بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ اوس اور خزرج میں جنگ چھڑ گئی تھی جس میں ایاس بن معاذ قتل کردئے گئے، ان کی قوم کے لوگوں نے انہیں لا الہ الا اللہ[۸۷]، اللہ اکبر، الحمد اللہ اور سبحان اللہ پڑھتے ہوئے سنا یہاں تک کہ ان کی جان نکل گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مدینہ کے اندر تھوڑی بہت مقبولیت حاصل ہونے لگی تھی۔ اس کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانیہ کے واقعات پیش آئے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی ان شاء اللہ۔

پہلی بیعت عقبہ:

استاد: جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لوگوں سے ملاقات کی تھی، اس کے اگلے ہی سال سنہ ۱۲ نبوی میں اوس اور خزرج کے بارہ لوگ مکہ آئے اور عقبہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ عقبہ پہاڑ کے دشوار گزار راستے کو کہتے ہیں، اس لئے اس بیعت کا نام بھی بیعت عقبہ ہی پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اس وفد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: (ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں تھے، آپ نے فرمایا: آپ حضرات مجھ سے اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، زنا، چوری اور ناحق خوں ریزی سے باز رہیں گے۔ آپ میں سے جو ان شروط کو پورا کرے گا اسے اللہ اپنے اجر سے نوازے گا اور جو ان میں سے کسی کا ارتکاب

---

[۸۷] سابق مرجع

کرے گا تو اسے سزا سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہوگی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اللہ اس کے معاملہ کو مخفی کردے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو سزا دے)[٨٨]۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو بڑے اچھے اخلاق اور شریفانہ اعمال کی تعلیم دی، ان اعمال کے اندر کسی طرح کی کوئی مشقت اور پریشانی نہیں ہے۔

استاد: بہت خوب میرے عزیزو! ہمارا دین ہی اخلاق اور آداب کا دین ہے، اس کی تعلیمات میں کوئی دقت اور مشقت نہیں ہے، بلکہ اسلام ایک آسان دین ہے، اس کا ہر ایک حکم خوبصورت اور عمدہ ہے، وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے، انہیں محبت ومودت سکھاتا، قتل وغارت گری اور چوری سے روکتا ہے تاکہ لوگ امن وامان اور سکون واطمنان کی زندگی گزار سکیں۔

شاگرد: کیا یہ وفد واپس مدینہ چلا گیا؟

استاد: ہاں، یہ حضرات مدینہ لوٹ گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا اور یہ حکم دیا کہ انہیں اسلام کی تعلیم دیں، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان کی امامت کیا کرتے تھے[٨٩]۔

شاگرد: یہ بڑی اچھی بات اور اللہ کا فضل ہے کہ مدینہ کے لوگوں نے آپ کی دعوت قبول فرمائی۔

---

(٨٨) مسلم: (٣/١٣٣٣) حدیث نمبر: (١٧٠٩)

(٨٩) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٢/٧٧-٧٦)

استاد: ہاں میرے بیٹو! یہ اللہ کا فضل ہی ہے۔ آپ غور کریں کہ کس طرح دھیرے دھیرے آسانی پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ ان صحابہ کرام کے ذریعہ مدینہ کے اندر اسلام پھیلنے لگا اور ایسا بھی وقت آیا کہ انصار مدینہ کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں اسلام کے جیالے نہ ہوں جو علی الاعلان اسلام کی پیروی کرتے ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر گھر میں تین سے زائد اور دس سے کم افراد ایسے ضرور تھے جو مسلمان تھے۔

دوسری بیعت عقبہ:

استاد: سنہ ۱۳ نبوی کو حج کے موسم میں دوسری بیعت عقبہ واقع ہوئی، مکہ آنے سے پہلے انصار مدینہ آپس میں جمع ہوئے اور یہ بات کی کہ: کب تک ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے اندر خائف وہراساں در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے دیکھتے رہیں گے؟ ان انصار میں سے ۷۰ افراد مکہ کی طرف نکل پڑے، موسم حج میں مکہ پہنچے، عقبہ میں ملاقات کرنے کا فیصلہ لیا اور ایک ایک دو دو کر کے عقبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے۔

شاگرد: استاد محترم! وہ ایک ایک دو دو کر کے کیوں آئے، وہ ایک ساتھ بھی تو یکجا ہو سکتے تھے؟

استاد: یہ ایک اہم سوال ہے میرے بچو! ماشاء اللہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو آپ بغور سنتے ہیں۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے اس لئے عقبہ میں جمع ہو رہے تھے تاکہ قریش کو اس اجتماع کی خبر نہ لگے، اگر وہ ایک ساتھ آتے تو قریش کو پتہ چل جاتا اور وہ انہیں آپ سے نہیں ملنے دیتے۔ اب آپ کو اس کی حکمت سمجھ میں آئی؟

شاگرد: تب تو انہوں نے بہتر کیا، اس کا مطلب ہے کہ ہمیں بھی اپنے ہر کام میں حکمت و دانش سے کام لینا چاہئے۔

استاد: یقیناً ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم حکمت عملی سے کام لیا کریں اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے بارے میں خوب سوچ وفکر کرلیں، تاکہ ہم زندگی میں کامیاب وکامران ہوسکیں، ساتھ ہی ہمیں مدد واعانت صرف اللہ سے طلب کرنی چاہئے کیوں کہ توفیق صرف اور صرف اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔

شاگرد: اس اجتماع میں کیا پیش آیا؟

استاد: انصار مدینہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ مجھ سے اس بات پر بیعت کریں کہ آپ چستی اور سستی ہر حال میں سمع وطاعت پر قائم رہیں گے، تنگی وخوش حالی دونوں صورت میں خرچ کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اللہ کی راہ میں حق بولتے ہوئے کسی ملامت گر کی فکر نہ کریں گے، میری مدد کریں گے اور اگر ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ ان چیزوں سے میری بھی حفاظت کریں گے جن سے اپنی، اپنی بیویوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، آپ کو اس کے بدلے اللہ جنت سے نوازے گا [۹۰]۔ وفد کے سارے افراد کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا۔ یعنی انہوں نے آپ کی بات پر حامی بھری۔

(۹۰) احمد،المسند: (۳/ ۳۲۴-۳۲۲)

شاگرد: گویا بیعت لینے کا مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد کا عہد و پیمان لینا ہوتا ہے۔

استاد: ہاں، اس بیعت کا مطلب یہی تھا کہ انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور نبی اور اسلام کو بہ طور دین اپنالیا ہے اور اب وہ آپ کے ساتھ ہیں، اور یہ کہ آپ ان کے پاس جانے والے ہیں، یعنی مدینہ ہجرت کرنے والے ہیں جہاں آپ کے ماننے اور مدد کرنے والے ہیں۔ آپ غور کریں کہ کس طرح تیرہ سال کی طویل کدوکاوش اور مسلسل دعوت اور ایذاءرسانیوں پر صبر کے نتیجے میں اللہ تعالی نے آپ کو اپنی توفیق سے سرفراز فرمایا۔ مسلمان کو اسی طرح اللہ تعالی کی اطاعت وبندگی پر صبر واستقامت سے کام لینا چاہیۓ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لمبی مدت تک صبر وشکیبائی پر قائم رہے تھے جس کے انجام میں آپ کو اس عظیم بیعت سے سرفراز کیا گیا۔

تیسرا باب:
ہجرتِ مدینہ

ہجرت مدینہ:

استاد: ہجرت کا مطلب صرف یہ نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بنے، آپ سواری تیار کریں اور مدینہ منورہ کے لئے نکل جائیں، بلکہ ہجرت کے کچھ مقدمات بھی تھے، اس کے لئے غور وفکر اور منصوبہ بندی کی گئی تاکہ ممکنہ خطرات سے بچا جاسکے، ہجرت کے اس سفر میں کچھ حادثے اور واقعات بھی پیش آئے جن سے ہم مختلف میدانوں میں درس وموعظت اور بڑے بڑے فائدے حاصل کر سکتے ہیں، جیسا کہ ہجرت کی ابتدائی کوششوں اور اس کے مختلف مراحل سے یہ بات واضح ہوجائے گی۔ آیئے ہم ہجرت کی ابتدائی کوششوں کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

شاگرد: کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا؟

استاد: ہاں، ان شاء اللہ ہمیں بہت سی اہم باتیں جاننے کا موقع ملے گا۔

ہجرت کے مقدمات:

استاد: مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے مشکلات اور آزمائشوں کی زندگی گزاری تھی، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا اور انبیاء کرام کے خواب سچ ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہ سے کہا: (میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں بہ کثرت کھجور کے باغات پائے جاتے ہیں، مجھے لگا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا مقام ہے، لیکن پتہ چلا کہ اس سے مراد مدینہ ہے جسے یثرب کہا جاتا ہے)[٩١]۔

---

[٩١] بخاری: (٣/٦٦) باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ إلی المدینہ

شاگرد: اے استاد محترم! کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں نہیں آسکیں؟

استاد: ٹھیک ہے! ہم اس کی تفصیل آپ کو بتاتے ہیں ان شاء اللہ۔

مدینہ اس زمانے میں کھجوروں کے باغات کی وجہ سے مشہور تھا اور اب بھی ہے، اسی طرح نجد میں یمامہ اور ہجر جسے احساء کہتے ہیں، بھی کھجوروں کے باغات کی وجہ سے جانے جاتے تھے ۔ مدینہ کو اس وقت یثرب کہا جاتا تھا۔

چوں کہ یہ تینوں ہی مقامات کھجور کے باغات کی وجہ سے مشہور تھے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا کہ آپ کو خواب میں جو جگہ دکھائی گئی ہے اس سے مراد یمامہ یا ہجر (احساء) ہے، لیکن حقیقت میں اس سے مراد مدینہ تھا جس کی تمہید اور مقدمہ کے طور پر توفیق الہی سے وہاں کے لوگوں کے ساتھ آپ کی پہلی اور دوسری بیعت عقبہ ہوئی تھی۔

شاگرد: کیا تمام مسلمانوں نے آپ کے ساتھ یکبارگی ہجرت کی یا انہوں نے الگ الگ ہجرت کی تاکہ قریش کو اس کی خبر نہ لگے، جیساکہ دوسری بیعت عقبہ میں انصار صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے ایک ایک دو دو کر کے عقبہ میں جمع ہوئے تھے۔

استاد: میرے عزیزو! آپ نے بہت اچھا سمجھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیرت نبوی کے واقعات سے مستفید ہوئے ہیں اور کچھ ایسی مفید چیزیں آپ نے سیکھی ہیں جن سے آپ کے ذہنی افق کو کشادگی ملی ہے۔

کچھ صحابہ کرام نے انفرادی طور پر تو کچھ نے جماعت کی شکل میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، ہر لمحہ کوئی نہ کوئی صحابی ہجرت کے لئے نکلتے، یا تو تنہا ہی یا دو یا اس سے زائد تعداد میں، پہلے مصعب بن عمیر اور ابن

مکتوم نے ہجرت کی، اس کے بعد عمار بن یاسر، سعد اور بلال نکلے، پھر عمر بن الخطاب نے بیس صحابہ کے ساتھ ہجرت کی[۹۲]، نیز ملک حبشہ میں جو صحابہ تھے وہ بھی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

شاگرد: استاد گرامی! کیا قریش کو ان مسلمانوں کے بارے میں خبر لگ گئی تھی کہ وہ مدینہ سفر کر رہے ہیں؟

استاد: ہاں قریش کو یہ پتا چل گیا تھا، انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے یا ان کے اہل خانہ کو ان کے ساتھ سفر کرنے سے باز رکھنے کی سازشیں بھی شروع کر دی تھیں۔ انہی سازشوں کے نتیجے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابو سلمہ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکیں، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے تنہا سفر کیا اور اس امید پر اپنی بیوی کو مکہ میں چھوڑ گئے کہ جب حالات اچھے ہوں گے تو وہ بھی ان سے جا ملیں گی[۹۳]۔

ہجرت کی تیاریاں:

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے ہجرت کی؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے کی سوچ رہے تھے، اسی اثنا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کا ارادہ بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا

---

[۹۲] بخاری: (۳/۷۶-۷۵) حدیث نمبر: (۳۹۲۵-۳۹۲۴)

[۹۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۲/۱۱۳-۱۱۲)

کہ ابھی وہ ہجرت نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دے دیں، اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہجرت کریں۔

شاگرد: یعنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک ہجرت نہ کی جب تک اللہ تعالی نے آپ کو اجازت نہ دی۔

استاد: ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اجازت کے بعد ہی ہجرت کیا، کیوں کہ یہ ایک بڑا اور سنگین معاملہ تھا اور اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے لئے کون سا وقت مناسب ہو سکتا ہے۔

ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے دو سواریاں تیار کی، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور ایک اپنے لئے، سواری سے مراد وہ چوپایا ہے جس پر انسان سفر کرتا اور سامان اٹھاتا ہے جیسے اونٹ، گدھا اور گھوڑا۔

ایک دن دوپہر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: (مجھے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے، ابو بکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں بھی آپ کی رفاقت میں نکلنا چاہتا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ہم ساتھ نکلیں گے)[٩٤]۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ مخلص دوست اور اچھے ساتھی کا انتخاب کتنا اہم ہے، حضرت ابو بکر آپ سے کہا کرتے تھے کہ: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ یعنی کہ: میں آپ پر اپنے ماں باپ کو قربان جاؤں۔ اس کا مطلب ہے کہ: میں آپ کو اپنے ماں باپ پر بھی فوقیت دیتا ہوں گرچہ آپ

---

[٩٤] بخاری: (٣/٦٩-٦٨) حدیث نمبر: (٣٩٠٥)

کی وجہ سے مجھے ان دونوں کو کھونا ہی کیوں نہ پڑے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ہم آپ سے اپنی جانوں اور اہل خانہ سے بھی زیادہ محبت کریں۔

شاگرد: یہ بڑی خوبصورت بات ہے۔ ہم بھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان اور اہل خانہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے صرف اس لئے اتنی مشقتیں جھیلیں اور تمام مشکلات کو برداشت کیا کہ ہم مسلمان ہو جائیں۔

استاد: جب آپ اور آپ کے ساتھی سفر کے لئے پر عزم ہوگئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دونوں سواریاں تیار کی اور اپنا سارا مال اپنے ساتھ لے لیا جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار درہم تھی[۹۵]، تا کہ سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہیں خرچ کریں۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر سے پہلے سفر کی تیاری کرنا اور زاد راہ اور ضروری لوزمات ساتھ لے کر نکلنا کتنا اہم ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے آپ کے لئے توشۂ سفر تیار کر کے ایک مشکیزہ میں رکھ دیا جو ایک بڑے سے جھولا کی طرح تھا جس میں انسان اپنی ضرورت کی چیزیں رکھتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر نے اپنا پٹکا (کمر بندھ) کھولا اور دو حصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاق پڑا، نطاق کمر بندھ کو کہتے ہیں۔

---

[۹۵] حاکم، المستدرک: (۵/۳)

آپ غور کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی کس قدر فکر تھی، انہوں نے اس دین کی خدمت کے لئے اپنا سارا اثاثہ حیات قربان کر دیا۔ ہمیں بھی حضرت ابو بکر اور ان کے اہل خانہ کی اقتدا کرتے ہوئے دین اسلام کی خدمت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور کسی طرح کی بخالت کو پاس بھی نہ آنے دینا چاہئے۔

شاگرد: یہ تو سفر کی تیاری کی بات ہوئی۔ لیکن کیا قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصوبہ کی خبر لگ گئی تھی؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو راز رکھا، ابو بکر اور ان کے اہل خانہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی کو بھی اس کی جانکاری نہ تھی اور وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ اس بات کو پردہ راز ہی میں رکھنا ہے۔ لیکن قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان کثیر تعداد میں مدینہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں تو انہیں اس بات کا خدشہ ستانے لگا کہ اگر مدینہ میں ان کی تعداد ایسے ہی بڑھتی رہی تو وہ قوت وسطوت کے ساتھ مکہ واپس آجائیں گے۔ جب قریش کو ایسا محسوس ہونے لگا تو کفار قریش جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا اور مختلف قرارداد پاس کئے، ان میں سے کسی نے کہا: کل صبح انہیں رسیوں میں باندھ دیا جائے۔ کسی نے کہا: بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ کسی کا کہنا تھا کہ: انہیں شہر بدر کر دیا جائے[۹۶] ۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی منصوبہ بندی کی خبر دے دی اور آپ کے خلاف وہ جو بھی چال بازی اور دسیسہ کاری کر رہے تھے آپ اس سے واقف ہو گئے۔

---

[۹۶] احمد، المسند: (۱/۳۴۸)

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غلط کرنے کی یہ سازش بہت خوفناک تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس سازش کی جانکاری ملی تو آپ کا ردعمل کیا تھا؟

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس وقت آپ ہجرت کی تیاری میں لگے تھے، آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بات چیت کرکے یہ طے کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سورہیں گے۔

شاگرد: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر کیوں سوئے؟

استاد: کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار ثور کی طرف نکل پڑے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر سوگئے تاکہ انہیں ایسا لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں سورہے ہیں اور وہ آپ کی تلاش میں نہ نکلیں اور اس درمیان رسول علیہ الصلاۃ والسلام غار ثور تک پہنچ چکے ہوں۔

شاگرد: یہ ایک مضبوط رائے تھی۔

استاد: یقینا یہ ایک مضبوط رائے اور پختہ منصوبہ تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ خوب غور وفکر کرکے ہی معاملات کو سلجھانا چاہئے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت کرتے تھے کہ انہوں نے قریش کے اس خطرہ کو جھیلنے کے لئے جان کی بازی لگادی۔

شاگرد: اللہ تعالی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے راضی ہو۔یقیناوہ بہادر انسان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت رکھنے والے شخص تھے۔

استاد: درست بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری زندگی ایک بہادر اور مضبوط شخصیت بن کر رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اوروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی بھی تھے۔

شاگرد: اس کے بعد کیاہوا استاد گرامی؟

استاد: رات ذرا تاریک ہوگئی تو قریش کے لوگ گھات لگاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھ گئے اور یہ سمجھتے رہے کہ آپ اپنے گھر میں سورہے ہیں، صبح ہوتے ہی ہلا بولنا چاہاتو دیکھا کہ علی ہیں، انہوں نے کہا: تمہاراساتھی کہاں ہے؟ علی نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم۔اس طرح اللہ نے ان کی سازش ناکام کردی[۹۷]۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنا کتنااہم ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ اسباب بھی اختیار کئے، اس لئے ہمیں بھی اپنے تمام معاملات میں ضرور اسباب اور وسائل اختیار کرنا چاہئے، محنت اور لگن سے کام کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اللہ تعالی پر ہی توکل اور بھروسہ رکھنا چاہئے۔

شاگرد: استاد مکرم! یہ بڑے فائدے کی بات ہے۔اس واقعہ کے بعد قریش نے کونساطریقہ اختیار کیا؟

---

[۹۷] المسند:(۳۴۸/۱)

استاد: قریش اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے، زمین پر آپ کے قدموں کے نشان ڈھونڈتے اور ان پر چلتے ہوئے آپ کا پیچھا کرنے لگے۔ کیوں کہ عرب پرانے زمانے میں اس چیز کا خاص اہتمام کرتے تھے اور ایک دوسرے کو اس کا طریقہ بھی بتاتے تھے کہ کس طرح کسی کے نقش قدم پر چل کر اس تک پہنچا جائے۔

قریش کے کچھ افراد آپ کے نشان قدم کو ڈھونڈتے ہوئے غار ثور تک پہنچ گئے، اس کے بعد آپ کا نشان قدم ختم ہو گیا اور وہ یہ جان نہ سکے کہ آخر آپ گئے کہاں۔ جب وہ غار کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ غار کے دروازے پر مکڑے کے جالے لگے ہیں، انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس غار میں جاتے تو اس کے منہ پر مکڑی کے یہ جالے نہ ہوتے۔ اس کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام تین رات تک اسی غار میں پناہ گزیں رہے[۹۸]۔

شاگرد: کئی طرح کے سوالات پیدا ہو رہے ہیں استاد محترم! سب سے پہلے تو یہ وضاحت کر دیں کہ آپ نے اس غار میں تین رات کیوں گزاری؟

استاد: آپ تین رات اس لئے ٹھہرے رہے تا کہ کفار قریش اگر آپ کو تلاشیں تو آپ نہ مل سکیں اور وہ مایوس ہو کر مکہ اور اس کے نواحی میں آپ کو تلاشنا ہی بند کر دیں۔ اس کے بعد بہ آسانی آپ مدینہ کا سفر جاری رکھ سکیں۔

---

[۹۸] احمد، المسند: (۱/۳۴۸)

شاگرد: نہایت عمدہ سوچ تھی۔ غار ثور کے بارے میں بھی ایک سوال ہے کہ کیا وہ غار حراء کے علاوہ کوئی اور غار ہے؟

استاد: ہاں! غار ثور مکہ مکرمہ کے تقریباً مشرقی سمت میں واقع ہے جبکہ جبل ثور (جو غار حراء کا حصہ ہے) جنوبی سمت میں ہے، جو کہ مدینہ منورہ کے بالکل مخالف سمت میں ہے کیوں کہ مدینہ مکہ سے تقریباً شمالی جہت میں واقع ہے۔

شاگرد: یہ بھی ایک عمدہ اور دلچسپ انداز فکر ہے۔ لیکن جب کفار قریش غار ثور کے پاس سے گزر رہے تھے تو کیا آپ نے ان کی آواز سنی تھی؟

استاد: اس کی تفصیل آنے والی ہے ان شاء اللہ کہ آپ نے ان کی آواز بھی سنی اور ان کے پاؤں بھی دیکھے تھے۔

غار ثور کی روداد:

استاد: ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا، سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آرہے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ان میں سے اگر کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر! خاموش رہو۔ ہم دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے[۹۹]۔ یہ ایک نہایت ہی دشوار گزار مرحلہ تھا لیکن اللہ تعالی ان کے ساتھ تھے، جس نے اتنی تیز رفتاری کے ساتھ مکڑیوں کے جالے بنادئے، اسی نے کفار قریش کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اپنے قدموں کی طرف نہ دیکھیں تا کہ ان کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ

[۹۹] بخاری: (۳/۷۵) حدیث نمبر: (۴۹۲۲)

عنہ پر نہ پڑے۔ اللہ نے ہی ان کی کمزوری اور اس جگہ پر ان کی بے بسی پر پردہ ڈال دیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی معیت اور نگہبانی پر کس قدر ایمان تھا کہ آپ نے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو اطمنان دلایا اور بتایا کہ اللہ تعالی ہمارا تیسرا ہے جو ہماری نگہبانی کر رہا ہے اور ہمیں اپنی مدد سے نوازے گا۔ اللہ تعالی نے اس واقعہ کو قرآن میں یوں بیان کیا ہے:﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ثَانِىَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِى ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَـٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ إِنَّ ٱللَّهَ ﴿٤٠﴾ ﴾ [سورة التوبة: ٤٠].

ترجمہ: اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انہیں کافروں نے دیس سے نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شاگرد: تمام تعریفات اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اس نعمت کے ذریعہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق غار کی حفاظت فرمائی۔ یقینا یہ ایک بڑا واقعہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے غار میں تین دن کیسے گزارے؟ کیا ان کے پاس کھانے پینے کی اتنی چیزیں تھیں کہ تین دن تک چل جائے؟

استاد: آپ کے سوالات بڑے اچھے ہیں میرے عزیزو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور کی طرف نکلنے سے پہلے ہی اس کا انتظام کر چکے تھے، آپ اور آپ کے رفیق غار نے عبد اللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بات طے کی تھی کہ وہ رات کے اندھیرے میں ان کے پاس جائیں گے اور رات بھر ان کے ساتھ رہیں گے اور آخری پہر میں مکہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے تاکہ صبح ہوتے ہی وہ مکہ کے لوگوں کے بیچ ہوں اور قریش کی باتیں سنیں اور ان کی سازش اور منصوبہ بندی کی خبر لیتے رہیں، وہ اس وقت نوجوان

تھے لیکن نہایت زیرک اور ذہین بھی تھے۔ وہ رات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش کی ساری سازشوں سے آپ کو باخبر کرتے[١٠٠]
۔

جب عشاء کا وقت ہوتا تو ان کے پاس ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی بکریوں کے ساتھ حاضر ہوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلاتے اور پھر رات کے آخری پہر مکہ کوچ کر جاتے، اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ بکریوں کی آمد ورفت سے عبد اللہ بن ابی بکر کے نشان قدم مٹ جاتے اور قریش یہ نہ جان پاتے کہ وہ غار ثور آیا کرتے ہیں کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پناہ کی خبر لگ سکے۔

شاگرد: یقینا یہ ایک پختہ اور عمدہ منصوبہ بندی تھی۔

استاد: ہاں، آپ کا منصوبہ نہایت پختہ اور عمدہ تھا، جس کے ذریعہ آپ کو خبریں بھی حاصل ہوتیں، کھانے بھی پہنچتے، اور غار میں ان کی موجودگی کے سارے نشانات بھی مٹ جاتے۔ اسی لئے ہمیں بھی اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اپنے تمام مقاصد اور تمناؤں کی تکمیل کے لئے خوب سوچ سمجھ کر منصوبہ بنانا چاہئے، اپنے دروس کے لئے، کامیابی اور رفعت وبلندی حاصل کرنے کے لئے اچھی طرح تخطیط کرنی چاہئے تاکہ ہم خیر امت کہلا سکیں جنہیں لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے برپا کیا گیا ہے۔

---

[١٠٠] بخاری: (٣/٦٩-٦٨) حدیث نمبر: (٣٩٠٥) اختصار کے ساتھ

شاگرد: تین رات غار ثور میں گزارنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوکر رضی اللہ عنہ کی اگلی پیش قدمی کیا تھی؟

غار ثور سے ساحل سمندر تک:

استاد: تین رات غار میں گزارنے کے بعد آپ دونوں غار سے نکلے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غار کی طرف نکلنے سے پہلے ہی ایک ماہر آدمی کو اجرت پہ لے لیا تھا جو انہیں مدینہ کی راہنمائی کر سکے، وہ آدمی کفار قریش کے دین پر ہی تھا، آپ نے اسے غار جانے سے پہلے دونوں سواریاں سونپ دی تھی اور تین رات کے بعد تیسرے دن کی صبح کو غار ثور پر ملنے کو کہا تھا، اس کا نام عبد اللہ بن اریقط تھا ،وہ آپ دونوں کو ساحلی راستے کی طرف لے گیا، ان کے ساتھ عامر بن فہیرۃ بھی تھے۔

شاگرد: لیکن ساحلی راستے کا کیا معنیٰ؟

استاد: پہلی بات تو یہ کہ ساحل سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں، ساحلی راستے سے مراد ساحل سمندر کا خطہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ: میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ غار ثور مکہ کے جنوب میں واقع ہے اور مدینہ اس کے بالکل مخالف سمت یعنی مکہ مکرمہ کے شمال میں واقع ہے، آپ نے حکمت کی بنیاد پر ایسا کیا تا کہ قریش کو یہ گمان بھی نہ ہو کہ آپ اس سمت اور اس جگہ پر بھی ہو سکتے ہیں، قریبی جگہ کے حساب سے آپ کو مکہ کے شمالی خطہ میں جا کر روپوش ہونا چاہئے تھا لیکن آپ نے ایک عمدہ منصوبہ اختیار کیا اور دشمن جس راستے میں آپ کو تلاشنے کے لئے نکل سکتے تھے آپ اس کے بالکل مخالف جہت میں نکل گئے، پھر آپ بحر احمر

کی طرف بڑھے تاکہ کسی مشرک کے وہم وگمان میں بھی نہ آئے کہ آپ اس سمت میں ہیں، اس کے بعد آپ نے مدینہ کارخ کیا۔

شاگرد: یہ نہایت اہم اور گہری اور اللہ تعالی کی توفیق پر مبنی سوچ وفکر ہے۔

استاد: بہت خوب میرے بچو! یہ اللہ تعالی کی توفیق کے ساتھ ساتھ ایک درست اور بے غبار انداز فکر ہے۔ ہمیں بھی اسی طرح اللہ تعالی کی مدد سے اپنے معاملات کو خوب بہتر انداز میں سوچ سمجھ کر انجام دینا چاہیئے تاکہ ہم شرمندگی اور ہر طرح کی غلطی سے بچ سکیں۔

ایک اور اہم بات جاننا ضروری ہے میرے عزیزو! وہ یہ کہ اللہ تعالی کو اس بات پر پوری قدرت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام مشکلات سے بچا کر پل بھر میں مدینہ پہنچا دیتا جیسا کہ مکہ سے مسجد اقصی کا سفر اسراء کرایا گیا تھا۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہمارے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئے علمی اور عملی نمونہ ہے، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام پریشانی، مشقت اور سازشوں کا سامنا کیا جن کا سامنا ایک انسان کو کرنا پڑسکتا ہے تاکہ ہم اپنے تمام معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی کرسکیں۔

شاگرد: استاد محترم! بالکل درست بات ہے۔ اگر آپ کو راتوں رات مدینہ پہنچا دیا جاتا تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے یہ فوائد اور مواعظ حاصل نہیں ہو پاتے۔ یقینا اللہ تعالی نے آپ کی زندگی کو ہمارے لئے حجت، طریقۂ زیست اور دلیلِ راہ بنا دیا ہے جس پر چل کر ہمیں اپنی زندگی گزارنی ہے۔

ایک چٹان کے سائے میں:

استاد: اس مبارک قافلہ نے رات بھر سفر جاری رکھا اور دن میں دو پہر تک چلتے رہے یہاں تک کہ جب ٹھیک دو پہر کا وقت ہو گیا، راستہ خالی ہو گیا اور کوئی گزرنے والا نہ رہا تو انہیں ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے سائے پر دھوپ نہیں آئی تھی، وہ وہیں اتر گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اس پہاڑ کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے لئے ایک جگہ برابر کی اور اس پر ایک پوستین (بکری کی کھال جس میں بال لگے ہوں) بچھا کر گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ سو جائیں اور میں آپ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کئے لیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور وہ آپ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لئے نکل پڑے [۱۰۱]
۔

غور فرمائیں کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر خیال رکھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جگہ صاف کی، اس پر پوستین (بستر کی مانند) بچھایا اور جگہ کی نگرانی کرنے لگے۔

شاگرد: اس سے مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار ساتھی تھے جو آپ سے انتہائی محبت رکھتے اور حد درجہ آپ کا احترام کرتے تھے۔

استاد: بالکل ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ سے محبت رکھنے والے اور نہایت وفادار ساتھی تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہونا بھی ضروری تھا جن کی اتباع اور پیروی کر کے ہم ان شاء اللہ جنت میں داخل

---

[۱۰۱] مسلم: (۴/۲۳۰۹-۲۳۱۰) حدیث نمبر: (۲۰۰۹)

ہوں گے۔ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت رکھنا چاہئے اور سنت کا اتنا ہی پاس ولحاظ رکھنا چاہیئے جتنا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھا۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا؟

استاد: دریں اثنا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ چٹان کے گردوپیش کی دیکھ بھال کر رہے تھے، اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں لئے چٹان کی جانب چلا آرہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان کے سائے میں آرام کرنا چاہ رہا تھا، ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا: تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: ہمارے لئے دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، میں نے کہا: ذرا تھن کو مٹی، بال اور تنکے وغیرہ سے صاف کرلو، پھر اس نے ایک کاب –لکڑی کے ایک برتن– میں تھوڑا سا دودھ دوہا۔

ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا لیکن گوارہ نہ ہوا کہ آپ کو بیدار کروں، چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ نے دودھ پیا۔ پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اس کے بعد ہم لوگ چل پڑے[١٠٢]۔

شاگرد: یہ بہت دلکش واقعہ ہے۔

استاد: ہاں یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس میں توفیق الٰہی صاف جھلک رہی ہے، بایں طور کہ اللہ نے ان کے لئے ایک چرواہا مہیا کر دیا جو اپنی بکریاں لے کر ان کے پاس آپہنچا، اس کے بعد جب دودھ دوہ کر ابو بکر

---

[١٠٢] مسلم: (۴/ ۲۳۱۰-۲۳۰۹) حدیث نمبر: (۲۰۰۹) اختصار کے ساتھ

الصدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو مناسب وقت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ٹوٹی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کا کس قدر خیال رکھتے تھے کہ انہوں نے آپ کو پیش کئے جانے والے دودھ کی صفائی کا اس قدر پاس ولحاظ رکھا کہ چرواہے سے کہا: بکری کے تھن سے بال اور غبار صاف کردو تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صاف شفاف دودھ نوش کریں اور آپ کو دودھ پیتے ہوئے کسی طرح کی ایسی چیز نہ ملے جس سے طبیعت مکدر ہو جائے۔

اس سے ہمیں پاکی صفائی کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمیں اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور جب ہم سے کوئی چیز طلب کی جائے تو ہم اسے صاف شفاف حالت میں پیش کریں، بلکہ ہمیں اپنے خاص معاملات میں بھی طہارت وپاکیزگی کا مکمل خیال رکھنا چاہئے کیوں کہ طہارت ایمان کا حصہ ہے، جیساکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے سمجھ میں آتا ہے اور ہمارا دین بھی پاکیزگی اور طہارت کا دین ہے جو ہمیں اس کا حکم دیتا ہے۔

شاگرد: مجھے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے گہری محبت کا احساس ہورہاہے کیوں کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ خیال اور توجہ رکھا کرتے تھے۔

استاد: تمہارے یہ جذبات قابل ستائش ہیں میرے عزیزو! ہمیں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ضرور محبت کرنی چاہئے کیوں کہ وہ ہماری محبت کے سچے حقدار ہیں بلکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی مَردوں میں سب سے زیادہ محبوب انسان تھے۔

شاگرد: کیا اس کے بعد یہ مبارک قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا؟ پھر کیا واقعہ پیش آیا اور انہوں نے کون سے طریقے اختیار کئے؟

سراقہ بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں:

استاد: ہجرت کے راستے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ سراقہ بن مالک نامی ایک قریشی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بالکل قریب آپہنچا، حضرت ابو الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ پیچھا کرنے والا ہمیں آلینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: (غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے)، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر بد دعا کی اور اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا[۱۰۳]۔

یعنی گھوڑے کے پاؤں پورے کے پورے زمین میں دھنس گئے، یہاں تک کہ صرف پیٹ اور پیٹھ زمین پر باقی رہ گئے، سراقہ کے علاوہ بھی اور لوگ تھے جنہیں قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا تھا، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں کس طرح اللہ پر بھروسہ اور توکل سے کام لیا، نیز یہ بھی غور کریں کہ اللہ نے کس طرح فوراً اپنے رسول کی دعا قبول فرمائی اور زمین کو نرم کر دیا کہ گھوڑے کے پاؤں اس میں دھنس جائیں۔

شاگرد: واللہ دعاء کی قبولیت ایک عظیم بات ہے۔

استاد: انسان جس قدر اللہ تعالی کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے اللہ تعالی اسی قدر اس کی دعا بھی قبول کرتا ہے، لیکن دعا کی قبولیت میں اللہ کی حکمت بھی کارفرما ہوتی ہے، کبھی اللہ تعالی فوراً بندہ کی دعا قبول کرلیتا

---

[۱۰۳] مسلم (۴/ ۲۳۱۰-۲۳۰۹) حدیث نمبر: (۲۰۰۹)

ہے تو کبھی اس میں تاخیر بھی ہوتی ہے، بسا اوقات اس دعا کے نتیجے میں اس کی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے یا اسے ایسی نعمت اور بھلائی عطا کرتا ہے جو اس کی طلب کردہ دعا سے بہتر اور افضل ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالی ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے کونسی چیز زیادہ مفید اور بہتر ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَـٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾﴾ [سورة النمل:٦٢].

ترجمہ: بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالی کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔

شاگرد: یہ بڑے بڑے فائدے ہیں جو ہم نے حاصل کیا ہے استاد محترم۔ سراقہ کا ردعمل کیا تھا؟ یقیناوہ اس واقعے سے خائف ہو گیا ہو گا؟

استاد: ہاں، سراقہ کو خوف لاحق ہو گیا۔ اس نے کہا: مجھے یقین ہے کہ تم دونوں نے میری ہلاکت کی بددعا کر دی ہے، اب میری نجات کے لئے دعا کر دو۔ بخدا میں تم دونوں کو لوگوں کے تعاقب سے بچا لوں گا۔ یعنی کہ جس طرح آپ کی بددعا کے نتیجے میں میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، اسی طرح آپ یہ دعا کر دیں کہ اس کے پاؤں زمین سے نکل جائیں، اگر تم مجھے اس مصیبت سے بچالوگے تو میں تمہیں دشمنوں کے تعاقب سے بچالوں گا۔

ہمیں اس موقع پر اللہ کے اس معجزہ میں غور کرنا چاہئے جسے اللہ نے اپنے نبی کی حمایت کے لئے رونما کیا، اور زمین کو اس قدر نرم کر دیا کے سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے قدم پیٹ تک زمین میں دھنس گئے۔ یقینا ہر ایک چیز اللہ کی تابع اور اس کی زیر نگیں ہے، فقط اللہ کے ارادے کی دیر ہوتی ہے۔

شاگرد: کیا سراقہ نے وعدہ پورا کیا اور دشمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیر دیا؟

استاد: ہاں، سراقہ ایک وفادار شخص تھا، اللہ کی جانب سے اس خوف ناک واقعہ کے پیش آنے کے بعد وہ بھلا ایفاء عہد سے کیسے مکر سکتا تھا۔ جس انسان سے بھی اس کی ملاقات ہوتی وہ اسے واپس کر دیتا، وہ لوگوں کو کہتا جاتا کہ: میں نے اس جہت میں تلاشی کر لی ہے، ادھر کوئی نہیں ہے[۱۰۴] ۔

شاگرد: استاد ذی وقار! اس کے بعد کیا ہوا؟ بے شک ہجرت کا سفر حادثات اور واقعات سے پر تھا۔

استاد: یقینا ہجرت کے سفر میں بہت سی ایسی نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں جو ہمیں ٹھہر کر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

ام معبد کا خیمہ:

ہجرت کے اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ام مبعد الخزاعیہ کے خیمے سے ہوا، آپ نے ان سے گوشت اور کھجور کے بارے میں پوچھا تاکہ ان سے خریدیں، لیکن ان کے پاس یہ چیزیں موجود نہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری ہے۔ فرمایا: ام معبد! یہ کیسی بکری ہے؟ بولیں: اسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس میں کچھ دودھ ہے؟ بولیں: وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اجازت ہے کہ اسے دوہ لوں؟ بولیں: ہاں میرے ماں باپ تم پر قربان۔ اگر تمہیں اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لو۔ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں

[۱۰۴] مسلم: (۴/ ۲۳۱۰-۲۳۰۹) حدیث نمبر: (۲۰۰۹)

پھیلا دئے۔ تھن میں بھرپور دودھ اتر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کا ایک بڑا سا برتن لیا اور اس میں اتنا دوہا کہ جھاگ اوپر آگیا، پھر ام معبد کو پلایا۔ وہ پی کر شکم سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے تو خود پیا۔

شاگرد: واللہ یہ ایک بڑا اور عجیب سا واقعہ ہے استاد گرامی۔

استاد: ہاں ہاں اس واقعہ میں ایک عظیم معجزہ ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بکری نہایت نحیف اور کمزور تھی، اس کے تھن خشک تھے، لیکن جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نام لے کر اس کے تھن پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے ہیں اور اللہ تعالی سے ام معبد کے حق میں دعا کرتے ہیں، تھن کے اندر فوراً دودھ اتر آتا ہے، اس کے خشک تھن دودھ سے لبالب بھر جاتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک معجزہ ہے جسے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رونما فرمایا[۱۰۵]۔

نیز آپ نبی صلی اللہ کے ادب اور حسن خلق پر بھی غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت کچھ کرنا پسند نہیں کیا، بلکہ اجازت طلب کی (کیا اجازت ہے کہ اسے دوہ لوں)، آپ نے اجازت کے بنا بکری کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھایا۔

شاگرد: واللہ یہ بڑے کرم کی بات ہے اور اللہ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عظیم ادب کی تعلیم ملتی ہے کہ ہم کسی ایسی چیز کی طرف اجازت کے بنا ہاتھ نہ بڑھائیں جو ہماری ملکیت میں نہ ہو، خواہ یہ کتنی معمولی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

---

[۱۰۵] الحاکم، المستدرک: (۳/ ۱۰-۹)

استاد: دودھ دوہنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کیا، اس میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اشرف اور سب سے محترم تھے اس کے بعد بھی خود پینے کے بجائے پہلے بکری کی مالکہ ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ جب وہ سیراب ہوگئی تو اپنے ساتھیوں کو دودھ پیش کیا، جب وہ شکم سیر ہوگئے تب سب سے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔

شاگرد: یقینا آپ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ کس طرح ادب سے پیش آئیں اور کس طرح ترتیب وار لوگوں کے حقوق کے اعتبار سے ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

استاد: بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ہی تھی کہ آپ نے دودھ پینے کے بعد اس برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا اور اسے ام معبد کو پیش کر دیا، اس کے بعد ام معبد رضی اللہ عنہا سے اسلام کی بیعت لی اور وہاں سے چل پڑے[(١٠٦)] ۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ ام معبد نے اسلام قبول کر لیا؟

استاد: ہاں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کا معجزہ دیکھا، آپ کے ادب اور حسن اخلاق کا مشاہدہ کیا اور تعامل وبرتاؤ میں آپ کی شگفتگی مزاجی دیکھی تو اسلام قبول کئے بنا نہ رہ سکی۔

شاگرد: بالکل سہی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کس قدر عزت دار، شریف اور سخی تھے۔

---

(١٠٦) اكتب الحاشية هنا

استاد: تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان کے شوہر ابو معبد رضی اللہ عنہ آپہنچے۔ دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے۔ پوچھا: یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ جب کہ بکریاں دور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری نہ تھی۔ ام معبد نے انہیں صورت حال سے باخبر کیا۔ ابو معبد رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے (جسے قریش تلاش کر رہے ہیں)۔ پھر اس کے بعد کہا: میرا ارادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔ ابو معبد کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر اس قدر پھیلی کہ یہاں تک بات پہنچ چکی تھی، لیکن اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حفظ وامان میں رکھا۔

شاگرد: استاد محترم! میں اور میرے دوسرے ساتھیوں نے بھی یہ محسوس کیا ہے کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واقعات سے ہمارے اندر اس کی مزید تفصیل جاننے اور اسے پوری توجہ سے سننے کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔

استاد: حقیقت یہی ہے کہ ہجرت کا واقعہ حادثات اور مشقتوں سے بھرا ہوا ہے، لیکن اس میں ہمارے لئے بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں بھی نہاں ہیں۔

چرواہے کا قبول اسلام:

استاد: ہجرت کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چرواہے کو اپنی بکریوں کے ساتھ دیکھا، آپ نے اس سے دودھ طلب کی، اس نے معذرت کر دی کہ اس کے ریوڑ میں کوئی بکری دودھاری نہیں ہے، ایک تھی بھی تو اس کا دودھ آنا بند ہو گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بکری منگوائی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا کیا یہاں تک کہ اس کے تھن میں دودھ اتر آیا اور سب

لوگوں نے سیر اب ہو کر پیا۔ چرواہے نے کہا: بخدا آپ مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ واللہ میں نے آپ جیسا انسان نہیں دیکھا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کیا میری بات کو راز میں رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: میں محمد اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر چرواہے نے کہا: کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ وہ بے دین ہو گیا ہے؟ یعنی اس نے اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا ہے۔ چرواہے نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ کی رسالت حق ہے اور یہ کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ ایک نبی ہی کر سکتے ہیں[١٠٧] ۔

شاگرد: یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ام معبد کی طرح اس چرواہے نے بھی اسلام قبول کر لیا رضی اللہ عنہما۔

استاد: یقیناً ان کا قبول اسلام ایک خوش کن امر تھا۔ آپ بابرکت نبی تھے، جس کے پاس بھی جاتے وہ آپ کی برکت اور خیر سے فیض یاب ہوتا، سب سے پہلی بھلائی یہ ہوتی کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتا جو کہ جنت کی رہنمائی کرتا اور جہنم سے نجات دلاتا ہے۔ نیز بکریوں کے اندر بھی جو تبدیلی آتی وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت کا ہی نتیجہ ہوا کرتی تھی۔

شاگرد: یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تھن کو ہاتھ لگانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ساتھ ساتھ دعا بھی کیا کرتے تھے، جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری ضرورتوں کی تکمیل میں دعاؤں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔

---

[١٠٧] الحاکم، المستدرک: (٣/٩-٨)

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین وفدائیان کی جانب سے ہونے والی یہ بات بہت پیاری ہے، جو پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سنتے اور پڑھتے ہیں۔ اللہ آپ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

ہجرت کے راستے میں آپ کو کپڑے دیۓ جاتے ہیں:

شاگرد: استاد ذی وقار! اس کے بعد اس سفر میں کیا پیش آیا؟

استاد: راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ ملک شام کے تجارتی سفر سے واپس ہو رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پہنائے[۱۰۸]۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اللہ تعالی کی خاص توفیق کا نتیجہ تھا تاکہ آپ نئے اور سفید کپڑے میں ملبوس ہو کر مدینہ میں داخل ہوں۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ مدینہ سے قریب پہنچ چکے تھے۔

استاد: ہاں، اور ادھر مدینہ کے باشندے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آپ کے استقبال کی پوری تیاری کر چکے تھے۔

---

[۱۰۸] بخاری: (۳م ۷۰-۷۱) حدیث نمبر: (۳۹۰۶)

مدینہ میں داخلہ اور پر جوش استقبال:

استاد: اہل مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف نکلنے کی خبر مل چکی تھی، جس سے وہ بے حد خوش تھے، وہ ہر روز اپنے گھروں سے نکل کر مقام حرۃ جاتے اور ظہر کے وقت تک وہاں آپ کی آمد کا انتظار کرتے، جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔ ایک روز ابھی وہ اپنے گھروں کو واپس ہی ہوئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے، کسی یہودی نے آپ کو دیکھ لیا، اس نے بلند آواز سے یہ ندا لگائی کہ: اے عرب کے لوگو! یہ لو تمہارے مہمان آگئے جن کا تم انتظار کر رہے تھے[١٠٩]۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے انتظار میں سراپا شوق اور محبت بن گئے تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام دشمنی رکھنے اور اذیت دینے والی قوم سے ایسی قوم کی طرف منتقل ہو رہے تھے جو آپ سے محبت رکھنے کے ساتھ ہی آپ کی مدد اور نصرت کے لئے ہمہ وقت سربکف رہتی تھی۔ ہجرت نبوی کا کرشمہ تھا کہ مدینہ خیر و بھلائی اور ایمان کا گہوارہ بن گیا۔

شاگرد: یہودی نے ندا لگاتے ہوئے کہا تھا: هذا جدكم الذى تنتظرون۔ یہ عبارت ہم سمجھ نہیں سکے۔

استاد: اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ تمہارا مہمان اور ساتھی آگئے جن کا تمہیں انتظار تھا۔ جد سے ساتھی اور مہمان مراد لیا گیا ہے۔

---

[١٠٩] بخاري: (٣/٧١-٧٠) حديث نمبر: (٣٩٠٦)

شاگرد: آپ نے ذکر کیا کہ اہل مدینہ ہر روز اپنے گھروں سے مقام حرۃ کے پاس آتے تھے۔ حرۃ کے کیا معنی ہیں؟

استاد: حرۃ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کالے پتھر ہوں، اتنے کالے گویا آگ میں جلے ہوں۔ اس کی جمع حرات آتی ہے۔

شاگرد: بڑا خوفناک منظر رہتا ہوگا وہاں۔ لیکن جب یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تو مسلمانوں کا ردعمل کیا رہا؟

استاد: مسلمانوں نے اپنے ہتھیار اٹھایا اور نکل پڑے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید اور مرحبا کہتے ہوئے پوری گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کریں اور ہتھیار کے اشارے سے آپ کی آمد پر اپنی محبت اور خوشی کا اظہار کریں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بنی عمرو بن عوف کی طرف رخ کیا جو قباء میں رہتے تھے، یہ ماہ ربیع الاول بروز دوشنبہ کا واقعہ ہے۔ آپ نے وہاں مسجد قباء تعمیر کی اور اس میں نماز قائم کی، آپ قباء میں تقریباً ۱۴ دن تک قیام پزیر رہے[۱۱۰]۔

مسجد قباء کی تعمیر سے مسجد کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کیوں کہ آپ نے قباء پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا کہ وہاں مسجد تعمیر کی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے صحابہ کے ساتھ تعمیر مسجد کے لئے پتھر ڈھوتے اور اس عظیم تعمیر میں صحابہ کا ساتھ دیتے۔

شاگرد: آپ نے قباء ہی سے کیوں آغاز کیا؟

---

[۱۱۰] بخاری: (۳/۷۱-۷۰) حدیث نمبر: ۳۹۰۶

استاد: پہلی بات تو یہ کہ: قباء اس وقت مدینہ کے اندر داخل نہ تھا کیوں کہ لوگوں کی تعداد کم تھی، اس وقت کا مدینہ آج کی طرح نہیں تھا کہ گھریں اور عمارتیں قریب قریب اور باہم ملی ہوئی ہوں۔

دوسری بات یہ کہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ جبل عیر کے راستے سے داخل ہوئے تھے جو کہ قباء کی سمت میں ہے۔ پھر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوا کرتا تھا اور آپ جانتے تھے کہ کونسا راستہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نیز یہ کہ آپ کو بہتر سے بہتر کام کرنے کے لئے اللہ کی رہنمائی اور توفیق حاصل تھی۔

شاگرد: استاد محترم آپ نے نہایت عمدہ توجیہ پیش کی۔ ہمیں آپ کی پیش کردہ اس توجیہ پر فخر ہے۔ شکریہ استاد گرامی قدر۔

استاد: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوگئے اور آپ کے ساتھ لوگ بھی چل پڑے، وہ بے حد خوش تھے، انصار کے حضرات، خواتین اور بچے بچیاں خوشی میں اس قدر سرشار تھے کہ گھروں کے چھت پر چڑھ کر اور اور بچے راستوں میں کھڑے ہوکر: یا محمد! یارسول اللہ! کی ندا لگانے لگے اور ان اشعار کے نغمے بکھیرنے لگے:

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع   وجب الشكر علينا مادعا لله داع

أيها المبعوث فينا جئت بالأمر المطاع   جئت شرفت المدينة جئت يا خير داع

ترجمہ: ان پہاڑوں سے جو جنوب کی سمت ہیں، ہم پر چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔

کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

اے ہمارے لئے مبعوث کئے گئے نبی، آپ کی اطاعت فرض ہے۔

اے بہترین داعی! یہ مدینہ کے لئے باعث شرف ہے کہ آپ ہمارے درمیان تشریف لائے۔

شاگرد: واللہ یہ ایک انتہائی درجہ کی خوشی ہے جسے ہم ابھی محسوس کر رہے ہیں، بھلا اس وقت انصار اور ان کی اولاد کی خوشیوں کا کیا حال رہا ہو گا۔

استاد: یقیناً یہ ایسی خوشی ہے جس سے دل بھر آتے ہیں! اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ایسے شخص کی آمد ہے جو مدینہ آنے والا، مدینہ میں رہنے والا، خاک مدینہ پر چلنے والا، مدینہ میں نماز پڑھنے والا، اس میں کھانے ،سونے والا اور اس میں مدفون ہونے والا سب سے افضل اور بہتر شخص تھا۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا استاد محترم؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصاحبوں کے ہجوم میں مدینہ کے اندر داخل ہوئے اور اس جگہ پر آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی جہاں مسجد نبوی صلی اللہ علی صاحبہ وسلم کی تعمیر ہوئی۔ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ یہی میری منزل ہو گی۔

چوتھا باب:
اسلامی حکومت کا قیام

مدینہ کی سماجی زندگی:

استاد: سماجی زندگی سے مراد یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں لوگ مدینہ کے اندر کیسی زندگی گزر بسر کرتے تھے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مسجد نبوی کی تعمیر کی جہاں وہ شب وروز میں پانچ دفع نماز کی ادائگی کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اور وہی ملک کا دار الحکومت بھی تھا، آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کی، مدینہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاہدہ منعقد کیا جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آنے والی ہے ان شاء اللہ۔ اس طرح سماجی زندگی پر اسلام کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

شاگرد: یہ بہت اچھی بات تھی کہ مدینہ میں مسلمانوں کی نئ زندگی شروع ہو رہی تھی۔

مسجد کی تعمیر:

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، یہاں تک اس جگہ پر جاکر آپ کی اونٹنی بیٹھ گئ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کی اور فرمایا: یہی میری منزل ہو گی ان شاء اللہ۔

اس جگہ پر کچھ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے، وہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت میں تھی، جہاں وہ اپنی کھجوریں سکھایا کرتے تھے، آپ نے ان دو بچوں کو بلایا اور ان سے اس زمین کی قیمت پوچھی تاکہ وہاں مسجد تعمیر کریں، لیکن انہوں نے بیچنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ: بلکہ ہم اسے آپ کو بہ طور ہدیہ دینا چاہتے ہیں،

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ کے طور پر لینے سے انکار کر دیا اور اس کی قیمت ادا کر کے ان سے زمین خریدی اور مسجد کی تعمیر فرمائی(١١١)۔

شاگرد: ان دونوں بچوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فیاضی اور سخاوت کرنا چاہا۔

استاد: ہاں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب اور سخاوت کا معاملہ کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی سخاوت کی قدر کرتے ہوئے ان کے ساتھ سخاوت وفیاضی کا معاملہ روا رکھا اور انہیں اس کی قیمت ادا کی، چوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قیمت دی تھی، اس لئے یہ بابرکت تھی۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کیسے کی؟

استاد: دیواریں اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوادئے گئے اور کھجور کی تنوں کے کھمبے بنادئے گئے(١١٢)۔

شاگرد: کھجور کی شاخوں اور تنوں سے کیا مراد ہے؟

استاد: شاخوں سے مراد کھجور کی درخت کا وہ بالائی حصہ ہے جو ٹہنیوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ تنہ کا مطلب وہ حصہ ہے جو زمین کی جڑ سے لے کر درخت کے آخری سرے تک پھیلا ہوتا ہے اور اس پر شاخیں بنتی ہیں۔ ہر شاخ پر کچھ ہرے رنگ کی ٹہنیاں ہوتی ہیں جو درخت کے پتوں کی طرح ہوا کرتی ہیں۔

---

(١١١) بخاري:(٣/٧١-٧٠)حدیث نمبر:(٣٩٠٦)

(١١٢) سابق مرجع:(٧٨-٧٧)حدیث نمبر:(٣٩٣٢)

شاگرد: تعمیر کا کام کس نے انجام دیا؟

استاد: اس زمانے میں آج کی طرح مزدور، کمپنیاں اور حمل و نقل کی مشینیں نہیں ہوا کرتی تھیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود سے مسجد بنائی اور ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تعمیر کے کام میں شریک ہوئے[١١٣]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی تعمیرِ مسجد کا اس قدر اہتمام کیا، اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام میں مسجد کی کتنی اہمیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد ہی مسلمانوں کے لئے مقام اجتماع تھی جہاں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیا کرتے اور آپ انہیں دین کی تعلیم دیتے تھے۔ اس لئے آج تک مسجد کو نماز، تعلیم اور مسلمانوں کے باہمی اجتماع کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت مسلمان اندازے کے مطابق نماز کے اوقات میں مسجد آیا کرتے تھے، پھر اس کے بعد اللہ نے اذان کو فرض قرار دیا جسے آج آپ سنتے اور دہراتے ہیں۔ بلال بن رباح مسجد نبوی کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے[١١٤]۔

---

[١١٣] ابن حجر: فتح الباری: (١/٢٤٦)

[١١٤] ترمذی: (١/٣٥٩-٣٥٨) حدیث نمبر: ١٨٩

مدینہ کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قرار:

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا، ان کا گھر دو منزلہ تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی منزل پر تھے اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بالائی منزل پر۔

شاگرد: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لئے یہ بڑے شرف کی بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں قیام کیا۔

استاد: یقینا، بخدا یہ انتہائی شرف اور بڑے کرم کی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔

لیکن ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جب بالائی منزل پر گئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ محسوس ہونے لگا اور انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اوپر چلیں پھریں یہ ہمیں گوارا نہیں۔ اس لئے انہوں نے ایک کنارے میں رات گزاری۔یعنی وہ گھر کے ایک کونے میں جاکر سوگئے اور اس رات اس ڈر سے گھر کے اندر چلنے پھرنے سے باز رہے کہ کہیں اس جگہ کے اوپر ان کے پاؤں نہ پڑ جائیں جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں صبح تک وہ گھر کے ایک گوشے میں سوتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: (السفل أرفق) یعنی: نچلی منزل میں قیام کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ آسان ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس منزل کے اوپر نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپ ہوں۔یعنی میں اس چھت پر نہیں چڑھ سکتا جس کے نیچے آپ تشریف رکھتے ہوں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بالائی منزل پر چلے گئے[115] ۔اس سے پتہ چلتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر ٹوٹ کر آپ کا احترام کرتے، آپ سے کتنی شدید محبت رکھتے تھے اور ان کے دل میں آپ کے لئے کتنا اعلی مقام ومرتبہ تھا۔

شاگرد: واللہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں بڑے ادب کی بات ہے۔ جس سے ہم کو یہ سیکھ ملتی ہے کہ ہم اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح محبت کریں، کیسے آپ کی تعظیم بجالائیں اور آپ کی سنتوں کا حق کیسے ادا کریں۔ جلیل القدر صحابی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی ادب واحترام سے پیش آئیں۔

استاد: بلکہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیزوں سے بھی شدید محبت کرتے تھے ، یہاں تک کہ کھانے پینے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا خیال رکھتے تھے، وہ آپ کے لئے کھانا تیار کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول کرنے کے بعد کچھ بچ جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں جہاں جہاں پڑی ہوتیں انہی جگہوں سے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کھانا لیتے[116] ۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کی نشانی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے، ہمیں بھی اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا چاہئے اور حضرت ایوب جس طرح

---

[115] مسلم: (٣/١٦٢٤-١٦٢٣) حدیث نمبر: (٢٠٥٣)

[116] مسلم: (٣/١٦٣٤-١٦٢٣) حدیث نمبر: ٢٠٥٣

کھانے میں آپ کی انگلیوں کے نشانات ڈھونڈا کرتے تھے اسی طرح ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

انصار ومہاجرین میں بھائی چارگی:

استاد: مدینہ میں رہنے والے وہ مسلمان انصار تھے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجر صحابہ کا استقبال کیا، مہاجر صحابہ وہ ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اپنے مال وجائداد اور ساری ملکیتوں کو خیر آباد کہ کر صرف اسلام کی حفاظت کے لئے مدینہ آئے تھے۔ اللہ تعالی نے اس صورت حال کو قرآن کے اندر یوں بیان فرمایا ہے: ﴿لِلْفُقَرَآءِ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَـٰرِهِمْ وَأَمْوَٰلِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا وَيَنصُرُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّـٰدِقُونَ ﴿٨﴾ وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَـٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِى صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾﴾ [سورة الحشر:٨-٩].

ترجمہ: فیئ کا مال ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعال کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔

اوران کے لئے جنھوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ

اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے۔

شاگرد: مہاجروں کے لئے یہ نہایت تکلیف کی بات رہی ہوگی استاد محترم۔ آخر انہوں نے اس بے سروسامانی کے عالم میں کیسے زندگی گزاری؟

استاد: واقعی مہاجرین کے لئے یہ تکلیف کی بات تھی، بہ طور خاص ایسے حالات میں کہ جب وہ مدینہ آئے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ کھیتی باڑی سے اپنی روزی کا بندوبست کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس اس کا بہت تھوڑا تجربہ ہے۔ کیوں کہ انہیں اکثر و بیشتر تجارت سے سروکار رہا کرتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے آبائی شہر مکہ چھوڑنے کا رنج و غم بھی انہیں ستاتا تھا، گویا وہ قابل رحم اور لائق عنایت صورت حال سے گزر رہے تھے۔

شاگرد: یقینا بڑے مشکل حالات رہے ہوں گے۔ لیکن اللہ نے ضرور ان کے ساتھ آسانی فرمائی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں مہاجرین کی یہ قربانیاں دیکھ کر ان کے لئے ہماری محبت اور فزوں تر ہوگئی ہے۔

استاد: اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس دین کو نازل فرمایا تھا، وہ دین ہمیں محبت، باہمی یکجہتی اور خیر وبھلائی میں آپسی تعاون کی تعلیم دیتا ہے، یہ دین اپنے ماننے والوں کو مشکل حالات میں اپنے بھائیوں کے کام آنے پر ابھارتا ہے۔ انصار مدینہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے تئیں جو قربانیاں دیں وہ بڑے اہم اور قابل ذکر ہیں جن سے آپ ان شاء اللہ عنقریب واقف ہونے والے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے آیئے ہم یہ جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحران اور پریشانی کو دفع کرنے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کیا۔

پہلی بات یہ کہ: مکہ چھوڑنے پر مہاجرین کو جو قلق تھا اور مکہ سے ان کی جو دلی محبت تھی اس کے علاج کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالی سے یہ دعا کی: "اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد، وصححها، وبارك لنا في صاعها ومدها"[۱۱۷] ۔ یعنی: اے اللہ جس طرح تو نے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مدینہ کو ہمارے لئے محبوب بنا دے۔ اسے بیماریوں سے پاک کر دے اور اس کی صاع اور مد میں ہمارے لئے برکت نازل کر دے۔

مہاجروں کے دلوں میں مکہ کی جو محبت تھی آپ نے اس کے علاج کے لئے اللہ تعالی سے یہ دعا کی کہ ان کے دل میں مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت بھی ڈال دے۔ انہیں مدینہ کا آب وہوا راس نہیں آرہا تھا اس کا علاج بھی آپ نے اس دعا سے کی کہ اللہ مدینہ کو بیماریوں سے خالی کر دے۔ اور ان کے ناپ تول کے پیمانے صاع اور مد میں برکت نازل فرما۔ یہ ان کے یہاں اسی طرح کے پیمانے تھے جس طرح ہمارے یہاں کیلو اور گرام وغیرہ ہوتے ہیں۔

شاگرد: کیا اس کے بعد وہ مدینہ سے محبت کرنے لگے؟

استاد: ہاں، اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دل میں مدینہ کی محبت جاگزیں ہوگئی، ان کی بیماری دور ہوگئی اور دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا نتیجہ ہے کہ آج تک مدینہ کے رزق میں برکتیں پائی جاتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ: مہاجرین کی زندگی کی دیگر پریشانیوں کا علاج آپ نے یوں کیا کہ انصار ومہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کی۔ علماء کہتے ہیں کہ بھائی چارہ قائم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ذریعہ مہاجرین کے دلوں سے اجنبیت اور بے وطنی کا خوف جاتا رہے، اہل خانہ اور گھر بار چھوڑنے کے غم سے وہ باہر

[۱۱۷] بخاري: (۳/۷۶) حدیث نمبر: (۳۹۲۶)

آسکیں اور سب مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں[١١٨] ۔اس لئے ہمیں بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھائی کی طرح پیش آنا چاہئے[١١٩] ۔

شاگرد: استاد محترم! انصار مدینہ نے اس بھائی چارگی کو کس طرح قبول کیا؟

استاد: انصار صحابہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص تھے، ان کے اندر صحابہ کرام کے لئے محبت، جذبہ جاں نثاری اور وفاداری پایا جاتا تھا، مہاجرین اپنے اہل خانہ کو خیر آباد کہ کر مدینہ تشریف لائے تھے لیکن انصار مدینہ نے انتہائی محبت، بے لوث احترام اور حد درجہ تعاون وخیر سگالی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا جس کے ذریعہ اللہ نے ان کا غم دور کر دیا، اللہ نے انصار مدینہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِى صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ ﴾ [سورة الحشر:٨].

---

[١١٨] ابن حجر، فتح الباری:(٢٧٠/٧)

[١١٩] استاد کو اس مقام پر اسلامی بھائی چارگی اور زندگی میں اس کے عملی نمونے کی مزید وضاحت کرنی چاہئے اور بتانا چاہئے کہ مسلم معاشرے میں ہمیں ایک دوسرے کے احترام، باہمی خیر سگالی وخبر گیری اور ہر طرح کی آپسی تعاون کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ان کے لئے جنھوں نے اس گھر میں یعنی مدینہ اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے۔

شاگرد: واللہ ہمارے دل میں انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کے تئیں بڑی محبت جاگزیں ہو گئی ہے۔

استاد: مہاجرین صحابہ کے تئیں انصار مدینہ کی وفاشعاری اور جذبہ جاں نثاری کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو انصاری صحابی نے عبد الرحمن بن عوف سے کہا: میں انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار انسان ہوں، میں اپنا مال دو حصوں میں بانٹ دیتا ہوں (نصف آپ کے لئے اور نصف اپنے لئے)[١٢٠] ۔

شاگرد: سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے انتہائی سخاوت اور بے حد وفاداری کا مظاہرہ کیا۔

استاد: اسی لئے تو اللہ نے انصار صحابہ کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [سورة الحشر: ٩].

ترجمہ: خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو۔

---

[١٢٠] بخاری: (٣/٨٣) حدیث نمبر: (٣٧٨٠)

لیکن دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ عبد الرحمن بن عوف نے اس نوازش اور فیاضی میں اپنی دلچسپی نہیں دکھائی اور نہ ہی اسے غنیمت جان کر فوراقبول کر لیا، بلکہ ان سے کہا: اللہ آپ کے مال اور اہل وعیال میں برکت عطا فرمائے۔ آپ مجھے بازار کا راستہ بتادیں۔ اس کے بعد بازار جاکر انہوں نے خرید وفروخت کی اور بہت سے منافع کے ساتھ واپس ہوئے۔

شاگرد: ابن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ انداز بھی نہایت عمدہ اور قابل اعتناء ہے۔ واللہ ان صحابہ کرام نے ہمارے لئے اپنی سخاوت وفیاضی اور انداز بے نیازی کے عجیب وغریب نمونے چھوڑے ہیں۔

استاد: صحابہ کرام کی زندگی ہمارے لئے ایک مدرسہ کی طرح ہے، جہاں ہم کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح برتاؤ کریں، آپس میں کیسے شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آئیں، اور اپنے بھائی کے مال کا غلط استعمال کرنے اور اس پر نگاہ بد رکھنے کے بجائے اس کی حفاظت کیسے کریں۔

عہد نبوی میں مدینہ کا یہ مسلم معاشرہ باہمی اخوت ورواداری اور آپسی محبت وخیر سگالی کا اعلی ترین نمونہ تھا، ان کے درمیان کسی طرح کی عداوت ودشمنی اور بغض ونفرت نہ تھی، وہ حقیقی معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور صحبت کے حقدار تھے۔ ان تمام صحابہ کرام سے محبت رکھنا ہمارے ایمان کا واجبی حصہ ہے۔

میثاق مدینہ:

استاد: مدینہ کے اندر اوس وخزرج کے انصار اور ہجرت کرنے والے مہاجرین صحابہ کے ساتھ ساتھ کچھ یہود بھی بستے تھے، اب چوں کہ زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ آچکا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا جس میں انہیں دین ومذہب کی آزادی دی گئی تھی اور ان کے جان ومال کو تحفظ فراہم کیا گیا تھا، اور ان کے شر سے بچنے کی ترکیبیں ملحوظ رکھی گئی تھیں۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (سب سے پہلے) انصار ومہاجرین کے درمیان عہد وپیمان کرایا۔ ذیل میں اس پیمان کے کچھ دفعات پیش کئے جارہے ہیں:

- سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر ظلم کرے گا، خواہ وہ انصاری ہو یا مہاجر۔

- کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔ (ایسا اس لئے فرمایا کیوں کہ تمام صحابہ کے سارے رشتہ دار مسلمان نہیں تھے)

- تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رونما ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹایا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی معاملہ میں جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس بارے میں فیصل صرف اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ کو مانا جائے گا۔ ان دو کے علاوہ جاہلیت کے کسی فیصلے اور نظام کو فیصل نہیں مانا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ بھی ایک معاہدہ منعقد کیا تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہا جاسکے اور انہیں ان کے حقوق دئے جائیں، اور ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گردو پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے۔

اس معاہدے کے اہم دفعات یہ تھے:

-یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کے لئے ان کو مجبور نہیں کیا اور نہ ہی ان سے اسلام اور جنگ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا، بلکہ انہیں اپنے دین ومذہب کی مطلق آزادی دی، سوائے اس کے جو اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنا چاہے تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی، یہ ان کے ساتھ عدل وانصاف روا رکھنے کی اعلی ترین مثال تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برت کر دکھایا۔

-کوئی یہودی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بنا مدینہ سے باہر نہ جائے گا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے شر ومکر سے بچا جاسکے اور آپ کے علم میں یہ بات رہے کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے۔

-جو مدینہ سے نکل گیا وہ مامون ہوگا اور جو مدینہ کے اندر رہے گا وہ بھی امان میں ہوگا سوائے اس کے جو ظلم کرے۔

یعنی: جو مدینہ سے باہر نکل جائے اس پر کوئی مسلمان ظلم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے اہل وعیال اور مال ومنال پر کوئی زیادتی کی جائے گی۔ اسی طرح جو مدینہ کے اندر ہی رہے وہ بھی مامون ہوگا، کوئی اسے ظلم وستم کا نشانہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں جو ظلم کرے وہ مامون نہیں ہوگا، کیوں کہ اسے ظلم کا بدلا چکانا ہوگا۔

شاگرد: یہ ایک عمدہ میثاق ہے جس میں کسی کے خلاف ظلم کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

استاد: یقینا، اسلام ہر انسان کے ساتھ ظلم کو حرام قرار دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی جانب سے اس دین کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا، تاکہ تمام لوگوں کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لائیں اور سب کے سب امن وسلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکیں۔ آپ کا مقصود ہرگز یہ نہ تھا کہ لوگوں سے دشمنی کی جائے اوران کے ساتھ لڑائی اور قتال کیا جائے۔

شاگرد: اسلام ایک خوبصورت اور ممتاز دین ہے۔ ہم اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں مسلمان بنایا۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا یہ عہد نامہ جوں کے توں تسلیم کر لیا گیا اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی؟

استاد: ہر چند کے اس معاہدے میں یہودیوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ برتا گیا تھا، انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور مشرکین کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سانٹھ گانٹھ کی اور خیانت پر اتر آئے اور مدینہ کے اندر بدامنی اور فساد پھیلانے لگے جس کے نتیجے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطن کر دیا۔

ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت اور تفصیل پیش کی جائے گی۔

منزلِ نبوی:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان تھے، آپ نے اسی اثناء میں اپنا گھر تعمیر کیا، جس کا دروازہ مسجد نبوی کی طرف کھلتا تھا، اسی گھر میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی[١٢١]۔ آپ کے گھر میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔

مدینہ آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شادیاں کی، آپ کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی، رضی اللہ عنہن، ان کے نام بالترتیب یہ ہیں: سودہ، عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، ام حبیبہ، جویریہ، صفیہ اور میمونہ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی تو آپ کی یہ نو ازواج مطہرات با حیات تھیں[١٢٢]۔ یہ سب کے سب امہات المومنین ہیں۔

عام آدمی کو صرف چار شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی طرف سے چار سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ یہ آپ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن سے اللہ نے آپ کو عام لوگوں کے مقابلے میں مختص فرمایا تھا۔ یہ اللہ تعالی کا آپ کے تیئں خاص فضل اور انعام تھا۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مسکن کہاں تھا؟

---

[١٢١] ابن سعد، الطبقات الکبری: (١/ ٢٤٠)

[١٢٢] ابن حجر۔فتح الباري: (٩/ ١١٣)

استاد: وہ سب اپنے اپنے حجرہ میں رہا کرتی تھیں، یعنی ہر ایک کے پاس ایک خاص کمرہ تھا، جب جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نئی شادی کرتے تب تب ایک نیا کمرہ تعمیر فرماتے۔ ان حجروں کی حالیہ جگہ نبی صلی اللہ کی قبر شریف کے قریب ہے۔

شاگرد: آپ نے پہلے ہمیں بتایا تھا کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو اولاد عطا ہوئی تھی، کیا آپ کی اور بھی اولاد تھی؟

استاد: آپ کا یہ سوال بہت اچھا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہ تھی، لیکن مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ کو ماریہ قبطیہ نامی ایک کنیز ہدیہ کیا تھا جن سے سنہ ٨ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے تھے، جو کہ شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گئے۔[١٢٣]

اہل صفہ:

استاد: صفہ اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسجد نبوی کے آخری حصہ میں تھی، اس جگہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت رہتی تھی، جو عبادت، قرآن اور احادیث نبویہ کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے، ان کی تعداد ٧٠ کے قریب تھی، ہر چند کہ وہ عبادت وریاضت اور علم و تعلم کی خاطر دنیا سے منقطع ہوگئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی جہاد میں شریک ہونے سے وہ باز نہیں رہے۔ ان میں سے ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ بھی ہیں۔

---

[١٢٣] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (١/٢٠٢) ابن سعد، الطبقات الکبری: (٨/٣٩-١٩)

وفود کی تعلیم:

استاد: کچھ قبیلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے مدینہ آتے تھے اور کچھ قبیلے آکر اپنے اسلام لانے کا بھی اعلان کرتے۔

شاگرد: استاد محترم! وفود کا مطلب کیا ہے؟

استاد: جو مدینہ یا کوئی اور جگہ پر آئے اسے نووارد اور وافد کہتے ہیں، وفود اسی وافد کی جمع ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں اپنی قوم اور قبیلے کی نمائندگی کرنے والی جماعت اور ڈیلیگیشن۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام وفود کا استقبال کرتے اور انہیں دینی تعلیمات دیتے تھے۔ پھر وہ اپنے اپنے قبیلے میں جاکر لوگوں کو ان تعلیمات سے روشناس کراتے تھے، مدینہ آنے والے انہی وفود میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا وفد بھی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس ٢٠ دن تک قیام پزیر رہا، آپ نہایت رحم دل اور مشفق تھے، جب آپ نے دیکھا کہ ہمیں اہل خانہ کی یاد آرہی ہے اور ہم ان سے ملنے کے مشتاق ہیں تو آپ نے فرمایا: (آپ جاکر اپنے گھر والوں کے ساتھ رہیں، انہیں دین کی تعلیم دیں اور نماز قائم کریں...)[١٢٤]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کو بھی یہی نصیحت کی کہ: (اپنے اہل خانہ سے جاملیں اور انہیں دین کی تعلیم دیں)[١٢٥]۔

---

[١٢٤] بخاری: (١/٢١١) حدیث نمبر: (٦٢٨)

[١٢٥] بخاری: (١/٤٨) باب نمبر: (٢٥)

شاگرد: استاد محترم! صحابی رسول کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحم دل اور مشفق ومہربان تھے، یہ بڑے اچھے اوصاف ہیں۔

استاد: یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشفق اور مہربان تھے، جو کوئی بھی آپ کے ساتھ رہتا یا آپ سے ملتا یا آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا آپ اس کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آتے۔ آپ لوگوں کی مصلحت اور ان کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے تھے، جب آپ کو لگتا کہ آپ کے پاس آنے والے وفود اسلامی تعلیمات اور شرعی اوامر سے واقف ہو چکے ہیں تو آپ ان سے کہتے کہ: اپنی قوم اور اہل خانہ کے پاس لوٹ جائیں اور انہیں یہ تعلیمات سکھائیں۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ لوگ اپنے اہل خانہ سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں، ہر کسی کی اپنی ضروریات ہوتی ہیں اور سب کے ساتھ کام کاج اور کسب معاش کے مسائل ہوتے ہیں۔اس لئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے ساتھ حلم وبردباری اور شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے۔

اس سے ہمیں بھی یہ سیکھ ملتی ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ کیسے پیش آئیں، ان کی حالات جاننے کی کوشش کریں اور ان کی ضروریات کا پاس ولحاظ رکھیں، ان کے ساتھ نرمی اور رحم دلی سے پیش آئیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قبیلوں اور وفود کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

لوگوں کو دین کی تعلیم:

استاد: اسلام کی آمد سے پہلے بہت کم لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، مکہ کے اندر صرف ۱۷ ایسے لوگ تھے جنہیں پڑھنا لکھنا آتا تھا، بعینہ مدینہ میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی(۱۲۶) ۔

شاگرد: گویا تعلیم کی شرح بہت کم تھی۔

استاد: ہاں، تعلیمی گراوٹ بہت زیادہ تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کے ظہور کے بعد تعلیم عام ہونے لگی اور پڑھنے لکھنے والے لوگوں کی تعداد کافی بڑھ گئی، کیوں کہ اسلام نے تعلیم پر ابھارا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ ١ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ مِنۡ عَلَقٍ ٢ ٱقۡرَأۡ وَرَبُّكَ ٱلۡأَكۡرَمُ ٣ ٱلَّذِي عَلَّمَ بِٱلۡقَلَمِ ٤ عَلَّمَ ٱلۡإِنسَٰنَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ٥﴾ [سورۃ العلق:۱-۵].

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ۔ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جو انسان طلب علم کے لئے کسی راہ پر چل پڑتا ہے اللہ اسے جنت کے کسی ایک راستے پر لگا دیتا ہے)(۱۲۷) ۔

---

(۱۲۶) البلاذری، فتوح البلدان: (۶۶۳-۶۶۰)

(۱۲۷) ابو داؤد: (۴/۵۸-۵۷) حدیث نمبر: (۳۶۴۱)

شاگرد: استاد گرامی! طلب علم پر اللہ اتنے بڑے اجر وثواب سے نوازتا ہے، یہ لوگوں کے لئے طلب علم کی راہ میں ایک محرک اور مہمیز کی طرح ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟

استاد: آپ کی بات بالکل درست ہے، بے شک اللہ تعالی کے نزدیک طلب علم کی بڑی اہمیت اور منزلت ہے، کیوں کہ عالم شخص لوگوں کو خیر وبھلائی کی تعلیم دیتا ہے، جب کہ کوئی انسان اسی وقت عالم ہو سکتا ہے جب اس کے پاس وہ علم موجود ہو جس سے علماء کرام لیس ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ بھی حصول علم کے حرص مندرہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾﴾ [سورة المجادلة: ١١].

ترجمہ: اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا اور اللہ تعالی ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب واقف ہے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کو دین کے احکام واوامر ضرور سکھاتے تھے لیکن اس میں بھی آپ حکمت اور دانش مندی سے کام لیتے اور استطاعت سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالتے تاکہ انہیں اکتاہٹ اور ملول نہ ہو۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو وعظ کرتے تو کہتے کہ:

میں تمہیں وقفے وقفے سے وعظ ونصیحت کرتا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وقفے وقفے سے نصیحت کیا کرتے تھے تاکہ ہمیں اکتاہٹ نہ ہونے لگے[١٢٨]۔ یعنی: تمہیں وعظ ونصیحت کرنے اور دین کی تعلیم دینے کے لئے میں مناسب وقت کی تلاش میں رہتا ہوں اور تم پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہیں

[١٢٨] بخاری: (١/٤٢)

لادتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسوہ رہا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام ہمیں تعلیم دینے کے لئے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ ہمیں ملول نہ لاحق ہو۔

نیزہ اور تیر کا کھیل:

استاد: صحابہ کرام نیزہ اور تیر سے کھیلا کرتے تھے، نیزہ اور تیر جنگ کے آلات ہیں۔ وہ اس کھیل کے ذریعہ تیر بازی کی مشاقی کرتے تھے تاکہ جب جنگ کی نوبت آئے تو دین اسلام کا دفاع اور اپنی جانوں کا بچاؤ کر سکیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر مسجد کے اندر آلات جنگ سے کھیل رہے حبشیوں کا نظارہ کر رہے ہیں۔ حبشیوں سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جو اصلا ملک حبشہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بچوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا خاص خیال رکھتے تھے، آپ ان سے محبت کرتے، انہیں لاڈ پیار کرتے ،ان کے ساتھ ہنستے کھیلتے اور انہیں اپنی سواری پر بیٹھاتے تھے۔

شاگرد: کیا بچے اس وقت بھی کھیلا کرتے تھے؟

استاد: ہاں بالکل بچے کھیلا کرتے تھے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ کھلایا کرتے تھے۔

شاگرد: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن استاد محترم اس کا کیا طریقہ ہوا کرتا تھا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے، کبھی جب انہیں راہ چلتے ہوئے دیکھتے تو انہیں لاڈ پیار کرتے اور اپنی سواری پر بٹھاتے۔

شاگرد: یہ بہت دلچسپ بات ہے۔ یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم متواضع اور خاکسار انسان تھے، کیا آپ ہمیں اس سلسلے میں مزید تفصیل بتا سکتے ہیں؟

استاد: کیوں نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ، عبید اللہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادوں کو صف بستہ کھڑے کر دیتے اور فرماتے: جو مجھ پر سبقت لے جائے گا۔یعنی دوڑ میں۔تو اسے انعام میں یہ اور یہ چیز ملے گی۔ پھر یہ سارے بچے آپ کی پیٹھ اور سینے پر لد جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بوسا دیا کرتے[۱۲۹] ۔

شاگرد: نہایت عمدہ بات ہے۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تواضع بہت پسند آیا۔

استاد: اس لئے آپ سب پر بھی یہ واجب ہوتا ہے کہ اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ انکساری اور تواضع سے پیش آئیں اور کبر و غرور سے دور رہیں، بلکہ ان کے ساتھ کھیلیں، انہیں اپنا پیار دیں، ان کے ساتھ نرمی برتیں، انہیں ہنسائیں کھلائیں، انہیں خوشی پہنچائیں اور ان کو تکلیف واذیت دینے سے گریز کریں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور طریقہ تھا۔

شاگرد: آپ نے بہت اچھی رہنمائی فرمائی استاد گرامی!

---

[۱۲۹] احمد: (۱/۲۱۴)

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو کھلاتے اور انہیں اپنی سواری پر بٹھایا کرتے تھے، سواری سے مراد وہ چوپایا ہے جس پر انسان سوار ہوتا ہے جیسے گھوڑا، اونٹنی یا گدھا، اللہ فرماتا ہے: ﴿ وَٱلۡخَيۡلَ وَٱلۡبِغَالَ وَٱلۡحَمِيرَ لِتَرۡكَبُوهَا وَزِينَةٗۚ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ٨ ﴾ [سورة النحل:٨].

ترجمہ: گھوڑوں کو، خچروں کو، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔ اور وہ بھی وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔

بچے بھی آپ سے ایسی ہی محبت رکھتے تھے جیسے آپ ان سے محبت کرتے تھے۔ جب آپ کسی سفر سے واپس ہوتے یا وہ راہ چلتے ہوئے آپ کو دیکھ لیتے تو دوڑے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ انہیں اپنی سواری پر بٹھالیتے۔ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس ہوتے تو سب سے پہلے ہم ہی آپ کا استقبال کرتے۔ ایک دفعہ آپ کسی سفر سے لوٹے ہی تھے کہ مجھ سے اور حسن یا حسین سے ملاقات ہوگئی، آپ نے اپنی سواری پر ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھالیا[١٣٠]۔ اس طرح آپ دونوں کے بیچ میں بیٹھے رہے۔

شاگرد: یہ بہت عمدہ بات ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ نہایت بلند تھا، اس کے باوجود آپ بچوں کا خیر مقدم کرتے، بچے آپ کا استقبال کرتے، آپ انہیں گود میں لیتے اور سواری پر بٹھاتے، بے شک یہ بہت قیمتی اور نفیس بات ہے۔

---

[١٣٠] مسلم: (٤/١٨٨٥) حدیث نمبر: (١٤٢٨-١٤٢٧)

استاد: یقیناً یہ نہایت قیمتی اور عمدہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو اس قدر محبوب رکھیں اور ان کا اتنا زیادہ خیال کریں۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی اپنے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کریں، انہیں لاڈ پیار دیں اور ان پر غصہ نہ کریں۔

ایک دن آپ کسی صحابی کے یہاں دعوت میں جارہے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ راستے میں کھیلتے ہوئے مل گئے، دوڑ کر آپ کے ساتھیوں کے سامنے آگئے، آپ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر ان کا استقبال کیا، وہ ادھر ادھر دوڑتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہنساتے کھلاتے رہے، بالآخر آپ نے انہیں گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا: جو حسین کو محبوب رکھے گا اللہ اس سے محبت کرے گا[۱۳۱]۔ حضرت حسین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تھی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ سے کس قدر محبت کرتے تھے، آپ نے کس انداز میں راہ چلتے ہوئے ان کو لاڈ پیار دیا اور انہیں گود میں اٹھایا۔ ہمیں بھی اسی طرح بچوں سے پیار کرنا چاہیئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پیار کرتے تھے۔ ہمیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا چاہیئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں محبوب رکھتے تھے، ساتھ ہی ہمیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی محبت رکھنا چاہیئے۔

شاگرد: استاد محترم! کیا چھوٹے بچے اس وقت بھی مسجدوں میں جایا کرتے تھے جیسے آج کل جاتے ہیں؟

---

[۱۳۱] بخاری 'الأدب المفرد: (۱/ ۴۶۰-۴۵۹) حدیث نمبر: (۴۶۳)

استاد: ہاں بچے اس وقت بھی مسجد جاتے تھے، آپ اس واقعہ پر غور کریں آپ کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ابو قتادہ کہتے ہیں: دریں اثنا کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسم اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص بن الربیع جو آپ کی صاحبزادی زینب کی بیٹی تھی کو لئے ہوئے تشریف لائے، ابھی وہ چھوٹی تھیں اور آپ انہیں کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ جب آپ رکوع میں جاتے تو انہیں کندھے سے اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو کندھے پر اٹھا لیتے، اسی طرح آپ نے پوری نماز مکمل کی[۱۳۲]۔

شاگرد: استاد گرامی! یہ بہت پیارا واقعہ ہے۔ آپ انہیں کندھے پر اٹھا لیتے تھے؟ اس کا مطلب کیا ہے؟

استاد: کندھا اس جگہ کو کہتے ہیں جو مونڈھے سے اوپر اور سر سے نیچے ہو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطاب فرماتے اور اس بیچ حسن اور حسین آجاتے، وہ سرخ رنگ کے کپڑے میں ملبوس ہوتے اور چلتے تو لڑکھڑا کر گر جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے اور انہیں اٹھا کر اپنے سامنے رکھتے، پھر فرماتے کہ اللہ نے بجا فرمایا ہے کہ: تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ میں نے جب ان دونوں بچوں کو چلتے اور لڑکھڑا کر گرتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے اپنی گفتگو منقطع کر دی اور انہیں جا کر اٹھایا۔

آپ غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر کس قدر توجہ رکھتے تھے، حتی کہ خطبہ اور نماز کے اندر بھی ان کا خیال رکھتے اور عبادت کے درمیان بھی ان پر شفقت و محبت فرماتے[۱۳۳]۔

---

[۱۳۲] ابو داؤد: السنن (صحیح سنن أبی داوٗد: ۹۱۸

[۱۳۳] ترمذی: (۳۷۷۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچوں کو لایا جاتا اور آپ انہیں دعاؤں سے نوازتے[۱۳۴]۔ بچوں کے لئے آپ برکت کی دعا کرتے اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ: میں اپنی خالہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میری خالہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بہن کا بیٹا بیمار ہے، حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں: آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیار اور شفقت و محبت سے لبریز اسلوب اور برتاؤ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بچوں سے کتنی زیادہ محبت کرتے تھے، انہیں کتنا لاڈ پیار کرتے اور ہنساتے کھلاتے تھے۔

شاگرد: جیسے جیسے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے واقفیت ہو رہی ہے ویسے ویسے اپنے نبی سے ہماری محبت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

استاد: ہم تو اس وقت تک مؤمن بھی نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبت نہ کرنے لگیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالی نے آپ کو ہمارے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا بلکہ آپ دونوں جہان کے لئے اور ہر ایک چیز کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے تھے۔

---

[۱۳۴] بخاری: (۴/ ۱۶۳) حدیث نمبر: (۶۳۵۵)

پانچواں باب:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات:

استاد: غزوات سے مراد دشمنوں سے کی جانے والی وہ جنگیں ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔ سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے بلکہ کسی صحابی کو اس کا قائد وکمانڈر مقرر فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت مدینہ کے بعد جنگ کی اجازت دی گئی [۱۳۵] ۔یہ اللہ کی راہ میں جہاد کی اجازت تھی۔

شاگرد: جہاد کی ضرورت کیوں پڑی استاد محترم؟

استاد: میرے عزیزو! آپ نے اچھا سوال اٹھایا: اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت اس لئے دی تاکہ دشمنان دین کی جانب سے جو ظلم کیا جارہا تھا یا جو مظالم دشمنوں کی طرف سے ہوسکتے تھے، ان کا دفاع کیا جاسکے۔ گویا اللہ تعالی مجاہدوں کے ذریعہ کافروں کی ایذارسانی کو دور کرتا ہے۔ ان شاء اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے ذریعہ یہ حقیقت مزید آشکارا ہوجائے گی کہ جنگیں صرف اعداء دین کی مکاریوں اور سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کی جاتی تھیں، نا کہ ظلم وتعدی کی خاطر۔

اسلام جور وستم کو نہ تو پسند کرتا ہے اور نہ ہی اسے روا رکھنے کو گوارا کرتا ہے، بلکہ اس سے منع فرماتا ہے، اور مجاہدوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ ان کے جہاد کا مقصد لوگوں پر ظلم وتعدی کرنا اور ان کے مال وجائداد

---

[۱۳۵] ابن القیم، زاد المعاد: (۳/۷۱)

کو ہڑپنا ہر گز نہیں ہونا چاہئے ۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَقَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ١٩٠﴾ [سورة البقرة: ١٩٠].

ترجمہ: لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

شاگرد: اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ ظلم وجور کو پسند نہیں کرتا۔

استاد: یقینا اسلام کی تمام تر تعلیمات ممتاز ہیں، خواہ وہ اخلاق وکردار سے متعلق ہوں یا احکام ونواہی سے متعلق۔ اس کے عملی نمونوں کا مشاہدہ ان شاء اللہ آپ غزوات وسرایا میں کریں گے اور آپ کو یقین ہوجائے گا کہ اسلام ظلم، حق تلفی اور ظالم کو کسی صورت میں گوارا نہیں کرتا۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد کتنی ہے؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٢٧ غزوے کئے، رہی بات سرایا کی جنہیں آپ نے صحابہ کرام کی قیادت میں مبعوث فرمائے تو ان کی تعداد ٤٧ ہے[١٣٦] ۔

چوں کہ غزوات اور سرایا کی تعداد زیادہ ہے اس لئے ہم ان میں سے کچھ ہی کے بارے میں بات کریں گے۔

[١٣٦] ابن سعد 'الطبقات الکبری: (٢/٦-٥)

غزوہ بدر:

استاد: شام سے مکہ مکرمہ جانے والے لوگ مدینہ کے راستے سے گزرتے تھے، کم از کم مدینہ کے قریبی مقامات سے انہیں ضرور گزرنا ہوتا تھا۔

چوں کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اذیتیں پہنچائی تھیں اور انہیں اپنے مال و جائداد ،گھر بار اور اہل وعیال کو چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا اس لئے صحابہ نے یہ ارادہ بنایا کہ جب قریش کا تجارتی قافلہ مدینہ سے گزرے گا تو وہ ان سے تعرض کریں گے۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے آرہاہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا: " قریش کا یہ قافلہ سامان تجارت کے ساتھ تمہاری طرف آرہاہے ، تم ان کی طرف نکل پڑو"[۱۳۷]۔

شاگرد: حدیث میں "عیر قریش" (قریش کا قافلہ) کا لفظ آیاہے، اس کے کیا معنی ہیں؟

استاد: عیر کے معنی اونٹ کے ہوتے ہیں، اس کا ایک معنی قافلہ بھی ہے، اور قافلہ اونٹ کی سواری کرنے والے مسافروں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں جو اونٹوں پر تجارتی ساز وسامان لاد کر سفر کر رہے ہوتے ہیں۔

مسلمان مقام بدر کی طرف نکل پڑے جہاں سے قریش کا تجارتی قافلہ گزرتا تھا۔

---

[۱۳۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۲/ ۲۵۸-۲۵۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن ابی طالب اور ابولبابہ رضی اللہ عنہم باری باری سے ایک ہی اونٹ پر سواری کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ مقام بدر تک پہنچے۔

شاگرد: استاد محترم! واللہ یہ بڑی مشقت اور تکلیف دہ بات ہے۔

استاد: ہاں اس میں مشقت و پریشانیاں ضرور تھیں لیکن اللہ کی راہ میں دین اسلام کی سرخروئی اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے خوشی خوشی انہیں برداشت کیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی اپنے دین متین کے لئے جدوجہد سے کام لیں اور اس راہ میں ہر مشقت کو جھیلنے کے لئے آمادہ رہیں، دین کی خدمت، ہر میدان میں امت مسلمہ کی رہنمائی اور اپنے تخصص کے میدان میں ان کی رہبری کے لئے تعلیم کی راہ میں پیش آنے والی ہر طرح کی صعوبتوں پر صبر سے کام لیتے رہیں۔

شاگرد: استاد گرامی قدر! قریش کے قافلہ کے بارے میں ہمیں بتائیں!

استاد: اس تجارتی قافلہ کا قائد وراہنما ابوسفیان تھے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے، وہ ایک ذہین وفطین آدمی تھے، اس لئے مدینہ کے مسلمانوں کی خبر لیتے ہوئے آرہے تھے، یہاں تک کہ انہیں مسلمانوں کے ان عزائم کی بھی خبر لگ گئی، چنانچہ ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو الغفاری نامی شخص کو مکہ بھیج کر اہل مکہ کو حالات سے باخبر کر دیا اور انہیں مقام بدر میں پہنچنے کو کہا[۱۳۸]۔

شاگرد: استاد محترم! کیا انہوں نے یہ خبر بدر کے مقام سے بھیجی تھی؟

---

[۱۳۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۲/۲۵۸)

استاد: نہیں، بلکہ مدینہ کے راستے ہی میں تھے تو یہ خبر بھیج دی تاکہ قریش اپنے تمام تر اسلحہ جات کے ساتھ بدر کے مقام پر جمع ہو سکیں۔

شاگرد: کیا مسلمانوں کو ابوسفیان کے اس عمل کی خبر لگ چکی تھی؟

استاد: نہیں، مسلمانوں کو اس کا کچھ علم نہ تھا کہ ابوسفیان نے ضمضم کو مکہ بھیجا ہے تاکہ ان کی قوم کو بلا بھیجیں۔

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا مقصد ان سے جنگ اور قتال کرنا نہیں تھا کہ آپ پوری تیاری کے ساتھ نکلتے بلکہ آپ کا مقصد صرف قریش کے اس تجارتی قافلہ سے تعرض کرنا تھا۔ اس لئے مسلمان صرف ۳۱۹ کی تعداد میں نکلے تھے۔

شاگرد: یہ ایک خوفناک حادثہ ہے۔ کیا ضمضم تیزی کے ساتھ قریش کے پاس پہنچ گیا تھا؟

استاد: ہاں، ضمضم تیز رفتاری کے ساتھ مکہ پہنچا اور انہیں اس کی خبر دی، اس کے بعد قریش کے لوگ اپنے تمام تر سرداروں اور شریف زادوں کے ساتھ بڑی لشکر کی شکل میں نکل پڑے، ان میں سے کوئی بھی مکہ میں نہیں رہا سوائے ابولہب کے، اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے والے تمام قریش نکل پڑے[١٣٩]۔

شاگرد: کیا مسلمانوں کو پتہ تھا کہ قریش بدر کے مقام پر آرہے ہیں تاکہ وہ بھی مقابلے کی تیاری میں لگ جاتے؟

---

[١٣٩] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٢/ ٢٦٢)

استاد: ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قریش ان سے مقابلہ کرنے کے لئے نکل چکے ہیں۔ آپ کے ساتھ جو صحابہ کرام تھے آپ نے ان سے مشورہ کیا، انہوں نے آپ سے خیر کی بات کی۔

جن صحابہ نے اس موقع پر بات کی ان میں حضرت ابو بکر و عمر اور مقداد رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تمام صحابہ کرام نے اس بات پر اپنا اتفاق ظاہر کیا کہ جب قریش ہم سے مقابلہ کے لئے آئیں گے تو ہم بھی ان سے نبرد آزما ہوں گے[۱۴۰]۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچے تو کچھ صحابہ کرام کو دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لئے بدر کے چشمے پر بھیجا، وہاں دو غلام مکی لشکر کے لئے پانی بھر رہے تھے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ قریش کثیب کے پیچھے ہیں، کثیب سے مراد ریتوں کا بڑا سا ٹیلہ ہے، جو کہ مسلمانوں کی جائے پڑاؤ سے قریب ہی تھا جسے العدوۃ القصوی کہا گیا ہے جہاں مشرکین پڑاؤ ڈال چکے تھے اور یہ مکہ کی سمت سے وادی کے آخری دہانے پر تھا۔ جب کہ مسلمان مدینہ کی جہت سے وادی کے آخری دہانے پر تھے جسے العدوۃ الدنیا کہا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں سے دریافت کیا کہ قریش کتنی تعداد میں ہیں؟ انہوں نے کہا: بہت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک

[۱۴۰] ابن ہشام' السیرۃ النبویۃ: (۲/۲٦٦)

دن نو اور ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا: تب تو لوگوں کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے[١٤١]
۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عدد کا اندازہ کیسے لگایا؟

استاد: آپ نے اچھا سوال کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ایک اونٹ سے تقریبا ایک سو لوگ کھا سکتے ہیں۔ چوں کہ وہ روزانہ دس اونٹ ذبح کرتے تھے جس کا مطلب تھا کہ دس اونٹ ایک ہزار آدمی کے لئے اور نو اونٹ نو سو آدمی کے لئے کافی ہے۔ اس لئے ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے بیچ ہی ہو گی۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت تھی کہ آپ نے اس طریقے سے غور وفکر کر کے اندازہ لگایا اور دشمنوں کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔ اس سے ہمیں بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اپنے تمام میدانوں میں حقائق تک پہنچنے کے لئے ہمیں بھی صحیح طریقے سے غور وفکر کرنا چاہئے اور اپنی عقل کی افزائش پر توجہ دینا چاہئے اور معرفت وآگہی اور خیر وبھلائی کے کاموں میں اس کا استعمال کرنا چاہئے۔

شاگرد: یہ ایک بڑا اور اہم فائدہ ہے جو ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ان کی تعداد کے مقابلے میں مشرکین اتنی بھاری تعداد میں ہیں تو کیا انہیں اس کا خوف نہیں ہوا؟

---

[١٤١] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ: (٢/ ٢٦٩-٢٦٨)

استاد: بالکل نہیں، مسلمان ہرگز خائف نہیں ہوئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کامیابی کی امید دلا رہے تھے اور حسن فال لے رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: (هذه مكة قد ألقت إليكم أفلاذ كبدها) مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

أفلاذ کے معنی ہوتے ہیں کلیجی یا گوشت کا وہ ٹکڑا جسے لمبائی میں کاٹا جائے۔ کلیجی کو بہ طور خاص اس لئے ذکر کیا کیوں کہ یہ اونٹ کے جسم کا سب سے بہترین حصہ مانا جاتا ہے۔ گویا جو لوگ جنگ کے لئے آئے تھے وہ قریش کے سب سے بڑے سردار اور سب سے اچھے رئیس مانے جاتے تھے جس طرح کلیجی کو اونٹ کے جسم کا سب سے عمدہ حصہ سمجھا جاتا ہے۔

(أفلاذ أكبادها) کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے سارے شرفاء اور رؤساء آچکے تھے۔ (وألقت إليكم) سے مراد یہ ہے کہ مکہ نے انہیں تمہارے سامنے لا ڈھیر کیا ہے۔ اس جملہ کے اندر ایک طرح سے ان شرفاء کی شکست وہزیمت کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شجاع وبہادر تھے، انہیں اپنے رب پر پورا بھروسہ اور توکل تھا اور ان کے ساتھ ان کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے جس کی وجہ سے ان کے دل میں ایمانی جذبہ جوش مار رہا تھا۔

شاگرد: گویا نیک فالی بہت اہم چیز ہے۔

استاد: یقینا نیک فالی بہت اہم چیز ہے۔ بہ طور خاص اس طرح کے مشکل حالات میں۔ انسان جب بیمار ہو تو شفایابی کے لئے نیک فال لے سکتا ہے تاکہ علاج کارگر ہو سکے اور شفا کی امید قائم رہے۔ طالب علم یاد کرنے کی صلاحیت اور درس سمجھنے کی قوت سے نیک فال لے سکتا ہے تاکہ محنت اور لگن سے کام لے اور تحصیل علم کی راہ میں اسے ان چیزوں سے حوصلہ ملے۔ لیکن جو شخص بارہا یہ بات دہرائے کہ وہ درس

سمجھ نہیں پاتا ہے یا اسے سبق یاد نہیں ہوتا ہے تو وہ دراصل خود کو وہم میں مبتلا کرتا ہے جس کے نتیجے میں بسا اوقات وہ اس کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔

شاگرد: قریش کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلومات حاصل ہو گئیں تو آپ نے کیا اقدام کیا؟

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جانکاریاں ملیں تو آپ نے اللہ تعالی سے دعا کی اور رب کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ ہمیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چل کر نیک فالی کے ساتھ ساتھ دعا کا بھی اہتمام کرنا چاہیے، پھر اس کے بعد پیش قدمی اور جدوجہد سے کام لینا چاہیے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو ایک ہزار کی تعداد میں دیکھا، جب کہ آپ کے صحابہ کی تعداد تین سو انیس ہی تھی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرح رخ کر کے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لئے اور اپنے رب سے یہ دعا کرنے لگے کہ: اے اللہ! مجھ سے جو تو نے وعدہ کیا ہے اسے پورا کر دے......)[۱۴۲]۔

شاگرد: قریش کے آنے کے بعد ان کے تجارتی قافلہ کا ردعمل کیا تھا؟

استاد: بہت خوب۔ آپ ان واقعات کی تفصیل توجہ کے ساتھ سن رہے ہیں۔ جب ابوسفیان کو معلوم ہو گیا کہ مسلمان قافلہ کی طرف آرہے ہیں تو انہوں نے قافلے کا رخ ساحل کی طرف موڑ دیا اور مسلمان قافلے کو نہیں پا سکے۔

---

[۱۴۲] مسلم: (۳/۱۳۸۵-۱۳۸۳) حدیث نمبر: (۱۷۶۳)

لیکن اس میں بھی ایک بڑا اور عظیم فائدہ نہاں تھا کہ مسلمان اس تجارتی قافلہ سے مقابلہ کرنے کے بجائے دشمن سے رودررو ہوں۔ آئندہ صفحات میں یہ بات واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

شاگرد: یہ تو بڑی اچھی بات ہوگی کہ قریش کے تجارتی سامان حاصل کرنے سے زیادہ فائدہ مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ کرنے سے حاصل ہو۔ اللہ تعالی ہم سے زیادہ اور بہتر یہ جانتا ہے کہ خیر وبھلائی کس چیز میں ہے۔

استاد: آپ نے اس باریکی کو سمجھا یہ بھی ایک عمدہ بات ہے۔ اس لئے میں آپ کو بتانے جارہاہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا پیش آیا؟

اللہ تعالی نے کچھ فرشتے نازل فرمائے جنہوں نے مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہوکر کفار ومشرکین سے قتال کیا، اللہ نے ایسے ایک ہزار فرشتے زمین پر اتارے۔

شاگرد: ماشاء اللہ۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کو اذن الہی سے فتح ونصرت ملے ہوگی۔

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے فرشتے نازل فرمائے، اللہ نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَٱسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾﴾ [سورة الأنفال: ٩].

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالی نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو لگاتار چلے آئیں گے۔

شاگرد: کیا ہم اس کی مزید تفصیل جان سکتے ہیں استاد گرامی!

استاد: جب مسلمانوں نے اللہ سے فریاد کی اوراپنے رب سے مدد اور نصرت طلب کی تو اللہ نے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج کر ان کی دعا قبول فرمائی، تاکہ انہیں اللہ کی بشارت حاصل ہو اور اس خوفناک موقع پر ان کے دل کو نصرت الہی سے اطمنان حاصل ہوسکے۔ جان لیجئے کہ فتح ونصرت فوج اور لشکر کی قوت سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ یہ اللہ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے۔

شاگرد: کیا مسلمان فرشتوں کو جنگ لڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟

استاد: مسلمان انہیں جنگ لڑتے ہوئے تو نہیں دیکھ رہے تھے لیکن جنگ میں ان کی شرکت کے آثار انہیں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے میدان میں یہ فرماتے ہوئے سنے گئے: (یہ لو حضرت جبرئیل اپنے گھوڑے پر جنگی آلات لئے ہوئے حاضر ہوگئے)[١٤٣]۔

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے حضرت جبرئیل کو دیکھا جیسا کے حدیث کے الفاظ سے پتا چلتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک مسلمان میدان جنگ میں کسی مشرک کو قتل کرنا چاہ ہی رہے تھے کہ انہیں کوڑے کی آواز سنائی دی اور شہسوار کو انہوں نے یہ کہتے سنا: حیزوم (گھوڑے کا نام) آگے بڑھ اور چڑھ دوڑ۔ اتنا سننا تھا کہ مسلمان نے کافر کو اپنے سامنے زمین پر ڈھیر ہو کر گرتے ہوئے دیکھا۔ اس صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم نے درست کہا۔ یہ آسمانی مدد تھی۔ یعنی کوئی فرشتہ تھے جو مسلمانوں کی صف میں مشرکوں سے لڑ رہے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو جنگ بدر میں مشرکوں پر فتح حاصل ہوئی۔

---

[١٤٣] بخاری: (٣/٩١-٩٠) حدیث نمبر: (٣٩٩٥)

شاگرد: پاک ہے اللہ کی قادر اور عظیم ذات جس نے مسلمانوں اور صحابہ کرام کے ساتھ مشرکوں سے مقابلہ کرنے لئے فرشتوں کو زمین پر نازل فرمایا۔

استاد: بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جنگ سے پہلے ہی کچھ کافروں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی اور فرمایا کہ: یہ فلاں کافر کے ڈھیر ہونے کی جگہ ہے اور آپ اس جگہ پر ہاتھ رکھتے۔ یہ فلاں کافر کے ڈھیر ہونے کی جگہ ہے اور آپ اس جگہ پر ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان میں سے کوئی کافر اس جگہ سے الگ نہیں مرا جس کی تعیین آپ نے اپنے ہاتھ سے فرمائی تھی[(۱۴۴)]۔

شاگرد: اللہ اکبر۔ واللہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

استاد: یقینا، اللہ تعالی نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ کافروں کے قتل گاہ سے واقف کر دیا تھا جس طرح اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کو یہ خبر دی تھی کہ ان کی مدد کے لئے فرشتے اتارے جائیں گے۔

اس جنگ میں ابو جہل اور امیہ بن خلف جیسے وہ کفار قتل ہوئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ اس جنگ میں ستر لوگ قتل کئے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۴ متشدد کافروں کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ انہیں ایک بوسیدہ اور بدبودار کنویں میں پھینک دیا جائے اور باقی کو دوسری جگہوں پر درگور کیا جائے[(۱۴۵)]۔

[(۱۴۴)] مسلم: (۳/۱۴۰۴-۱۴۰۳) حدیث نمبر: (۱۷۷۹)

[(۱۴۵)] ابن حجر، فتح الباری: (۷/۳۰۲)

اس جنگ میں قید ہونے والے مشرکوں کی تعداد ستر تھی[١٤٦] ۔ان میں سے کچھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لیا اور جن کے پاس فدیہ کی صلاحیت نہ تھی ان کے رہائی کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔

شاگرد: کیا کوئی مسلمان بھی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے؟

استاد: جنگ بدر کو مسلمانوں کا سب سے پہلا غزوہ شمار کیا جاتا ہے، جس کی نصرت سے مسلمانوں کو بہت بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے جو کہ قریش کے مال تجارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور افضل تھے۔

- اس غزوہ میں قریش کے وہ بڑے بڑے بہادر مارے گئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔
- اس سے عربوں کو مسلمانوں کی قوت وطاقت کا اندازہ ہوگیا اور ان کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی۔
- مسلمانوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود اللہ نے کس طرح ان کی مدد فرمائی۔
- مسلمانوں کو مشرکوں سے بہت سے مال غنیمت حاصل ہوئے۔
- کچھ مسلمان شہید بھی ہوئے، شہید کے لئے یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو۔

---

[١٤٦] مسلم:(٣/١٣٨٥-١٣٨٣)حدیث نمبر:(١٧٦٣)

- اس بابرکت غزوہ میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کی عظمت ومنزلت بڑھ گئی اور انہیں بیش بہا اجر وثواب حاصل ہوئے۔
- قیامت کے دن تمام اہل بدر معاف کر دئے جائیں گے۔

غزوہ احد:

استاد: چوں کہ بدر میں قریش کو منہ کی کھانی پڑی تھی اور شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا اس لئے انہوں نے ارادہ بنایا کہ پھر سے قبائل عرب کے درمیان اپنی کھوئی ہوئی طاقت وسطوت اور مقام ومرتبہ کی بازیابی کی جائے، اس کے لئے انہوں نے تین ہزار لوگوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا[۱۴۷]۔

یہ غزوہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتیس مہینے بعد سنہ ۳ ہجری میں ہفتہ کے دن سات شوال کو پیش آیا۔

شاگرد: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس تیاری کا علم ہو چکا تھا؟

استاد: ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر لگ چکی تھی کہ قریش مسلمانوں کے مقابلے کے لئے مکہ سے نکل چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ جنگ کے لئے مدینہ سے باہر نکلا جائے یا مدینہ ہی میں رہا جائے[۱۴۸]۔

---

[۱۴۷] ابن ہشام 'السیرۃ النبویۃ: (۳/۷۰)

[۱۴۸] ابن سعد 'الطبقات الکبری: (۲/۳۶)

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے کوئی فیصلہ لینے کے بجائے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تاکہ ہمیں یہ تعلیم مل سکے کہ ہم اپنے پیش آمدہ سماجی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آئیں۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسلوب سے یہ سیکھ ملتی ہے کہ ہم اپنے اجتماعی مسائل میں باہم مشورہ کریں اور انفرادی فیصلہ لینے پر اکتفانہ کریں۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی تواضع پسند تھے اور اپنے صحابہ کا احترام کیا کرتے تھے۔

استاد: ہاں ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خاکسار اور خلیق انسان تھے، آپ اپنے صحابہ کا احترام کرتے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔ اس لئے ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تواضع اختیار کرنا چاہئے اور اپنے ساتھیوں کا احترام کرنا چاہئے، ان سے محبت رکھنا چاہئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔

شاگرد: اس کے بعد کیا پیش آیا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا لشکر تیار کیا جو ایک ہزار صحابہ کرام پر مشتمل تھا[(١٤٩)]۔ جب کہ مشرکین تین ہزار کی تعداد میں تھے۔

شاگرد: مسلمانوں کی تعداد مشرکوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی؟

استاد: یہ بات صحیح ہے لیکن اللہ تعالی کی نصرت تعداد سے نہیں ملتی ہے بلکہ اللہ ایمان اور صبر کی بنیاد پر اپنی مدد اور نصرت بھیجتا ہے، اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ اگر بیس مسلمان صبر سے کام لیں تو وہ دوسو پر بھاری پر سکتے ہیں۔ اور اگر صبر کرنے والے مسلمان ایک سو ہوں تو وہ دو ہزار دشمنوں پر غلبہ پاسکتے

---

(١٤٩) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٣/٦٨)

ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى ٱلۡقِتَالِۚ إِن يَكُن مِّنكُمۡ عِشۡرُونَ صَٰبِرُونَ يَغۡلِبُواْ مِاْئَتَيۡنِۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٞ يَغۡلِبُوٓاْ أَلۡفٗا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٞ لَّا يَفۡقَهُونَ ﴿٦٥﴾﴾ [سورة الأنفال:٦٥].

ترجمہ: اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔

شاگرد: یہ مسلمانوں کے لئے اللہ کی توفیق ہی ہے کہ اللہ نے صبر اور تحمل کے اندر ان کے لئے قوت نہاں رکھا ہے۔ یہ صبر کی اہمیت کو واضح کرنے والی دلیل ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے استاد گرامی؟

استاد: بالکل ایسا ہی ہے۔ بہت خوب میرے عزیزو!

شاگرد: پھر اس کے بعد کیا ہوا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ احد کی سمت بڑھے۔ جبکہ بیچ راستے ہی سے عبد اللہ بن ابی بن سلول ایک تہائی لوگوں کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

شاگرد: ایسا کیا ہوا تھا؟ یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔

استاد: مسلمانوں کے بیچ کچھ منافقین بھی رہتے تھے، منافق اسے کہتے ہیں جو بہ ظاہر اپنے آپ کو مسلمان بتلائے لیکن اپنے باطن میں کفر کو چھپائے رکھے۔ انہی میں منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی

تھا، لیکن اللہ کا تعالی کا فضل دیکھئے کہ توفیق الٰہی سے اس کے ساتھ لوٹنے والے کچھ مسلمان اپنے ایمان کے ساتھ پھر سے اسلامی لشکر میں آکر مل گئے۔

کچھ ایسے نوجوان مسلمان بھی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن ان کی عمر ۱۵ سال سے کم تھی۔

شاگرد: وہ بہادر نوجوان رہے ہوں گے نا استاد محرم؟

استاد: ہاں، وہ تو بہادر و شجاع تھے ہی، ساتھ ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرتے تھے اور یہ آرزو رکھتے تھے کہ اپنی جانیں دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کریں۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جوانوں کے ساتھ کیا رویہ اپنایا؟

استاد: ان میں سے جو ۱۵ سال کے ہو چکے تھے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی اور جن کی عمر اس سے کم تھی انہیں واپس کر دیا تاکہ وہ خطرے کی زد میں نہ آئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ بن جندب الفزاری اور رافع بن خدیج کو اجازت دی کیوں کہ یہ پندرہ سال کے ہو چکے تھے۔ جب کہ اسامہ بن زید، عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، براء بن عازب، عمرو بن حزم اور اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہم کو واپس کر دیا، لیکن غزوہ خندق کے موقع پر جب کہ ان کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی، آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی [۱۵۰]۔

شاگرد: استاد گرامی! اس کے بعد کے کیا واقعات ہیں؟

[۱۵۰] ابن ہشام' السیرۃ النبویۃ: (۳/ ۷۰)

استاد: احد پہاڑ کے پاس ہی مسلمان اور کافروں کا مقابلہ ہوا، احد پہاڑ سے قریب ہی ایک چھوٹا سا بلند پہاڑ تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تیر بازوں کو متعین فرمایا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس پہاڑ کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑیں خواہ مسلمانوں کو فتح ملے یا کافروں کو[۱۵۱] ۔اس پہاڑ کا نام بعد میں جبل رماۃ پڑا۔

شاگرد: کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی وجہ جان سکتے ہیں استاد محترم؟

استاد: ہاں، یہ پہاڑ جنگی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ یہ پہاڑ میدان جنگ کو جھانکتا تھا اور دونوں لشکر اس پہاڑ کے نیچے تھے، تیر بازوں کے لئے اس پہاڑ سے مشرکوں کو نشانہ بنانا آسان تھا کیوں کہ یہ بلند مقام پر تھا اور مشرکین بالکل اس کے نیچے تھے، ساتھ ہی اس پہاڑ پر تیر بازوں کی موجودگی مشرکوں کو اس اہم جگہ پر قابض ہونے سے روک سکتی تھی۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب نہایت ممتاز اور لاجواب تھا۔

استاد: ہاں یہ توفیق الہی کی دین تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو اختیار فرمایا، شروع میں مسلمانوں کو فتح بھی ملی، لیکن جب تیر بازوں نے دیکھا کہ مسلمان فتح یاب ہو چکے ہیں تو وہ پہاڑ سے نیچے اتر گئے۔ خالد بن ولید جو ابھی اسلام نہ لائے تھے اور مشرکوں کی قیادت کر رہے تھے، وہ پیچھے کی جانب سے اس پہاڑ پر چڑھ گئے اور اوپر سے مسلمانوں پر تیر بازی شروع کر دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

[۱۵۱] بخاری: (۳/۱۰۳-۱۰۲)

جب تیر بازوں نے یہ جگہ چھوڑ دی تو مشرکوں کے گھوڑے اس راستے سے صحابہ کرام پر چڑھ دوڑے اور گھمسان کارن پڑ گیا، نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے [۱۵۲]۔

شاگرد: اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ کے میدان میں پہاڑ کی کیا اہمیت ہے۔

استاد: جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ جنگی محاذ آرائی کے لئے پہاڑ کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر بازوں کو تاکید کے ساتھ پہاڑ چھوڑنے سے منع فرمایا تھا اگرچہ مسلمانوں کو فتح ہی کیوں نہ مل جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر قائم رہنا کتنا ضروری ہے اور یہ کہ آپ کی بات سے روگردانی کرنا ہر ایک چیز میں شکست وریخت کا سبب ہوتا ہے، خواہ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا۔ اس لئے ہر ایک معاملہ میں بندہ مسلم کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی چاہیئے تاکہ پوری زندگی میں کامیابی کے گل کھلتے رہیں۔ اسی طرح جماعت اور قافلے کو بھی چاہیئے کہ اگر ہر موڑ پر سرخروئی اور کامیابی کی تمنا ہے تو قائد ورہبر اور امیر کی اطاعت لازم پکڑیں۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا استاد گرامی؟

استاد: اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور آپ کو زخم کھانی پڑی۔ آپ کے جسد اطہر سے خون بہنے لگے، حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں، اپنے والد کے خون کو دھوئیں اور ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر پانی

---

[۱۵۲] ابن حجر، فتح الباری: (۷/۱۵۱-۱۵۰)

انڈیلا[١٥٣] ۔ مشرکوں کے تیر سے آپ کی حفاظت کے لئے بہت سے صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے تھے۔ ان میں سے سات صحابہ کرام شہید بھی ہوئے، شہید ہونے والے یہ ساتوں صحابہ انصاری تھے[١٥٤] ۔

شاگرد: واللہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا بڑا سانحہ پیش آئے۔

استاد: یقینا یہ ایک بڑی مصیبت ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام دوچار ہوئے، بلکہ مسلمانوں میں یہ بات بھی پھیل گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ میدان جنگ کے اندر مسلمان یہ اندوہناک اور غمناک خبر سن کر نڈھال ہو گئے۔

ہزیمت وشکست، مسلمانوں کی شہادت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چوٹ اور زخم اور ان سب پر مستزاد آپ کی موت کی افواہ جیسی کئی بڑی آزمائشیں ایک ساتھ مسلمانوں پر بجلی بن کر گریں اور میدان جنگ گویا میدان محشر سا بن گیا۔ لیکن اللہ تعالی نے ان کے لئے اور ہمارے لئے اس عظیم حادثے میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں پیدا کر دی، آج جس طرح آپ کو اس حادثے سے بہت سے فوائد حاصل ہو رہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام نے بھی اس جنگ سے بہت سی نصیحتیں حاصل کیں۔

---

[١٥٣] بخاری: (٣/١٠٩) حدیث نمبر: (٤٠٧٥)

[١٥٤] مسلم: (٣/١٤١٥) حدیث نمبر: (١٧٨٩)

جب مسلمانوں کو یہ یقینی خبر ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باحیات ہیں تو جیسے ان کے جسم میں روح لوٹ آئی اور خوشی میں اپنے زخم کا الم اور شکست کا سارا رنج و غم بھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ان کے لئے بیش بہا ثروت و غنیمت تھی جس کے ساتھ وہ مدینہ لوٹے۔

شاگرد: یقینا جنگ احد کے یہ واقعات خوفناک، غمناک اور المناک ہونے کے ساتھ ساتھ مسرت بخش بھی تھے کیوں کہ اللہ تعالی نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور آپ صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

استاد: اللہ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے مختلف باتوں کی وضاحت فرمائی، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ ٱلْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُۥ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ ٱلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَمْحَقَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٤١﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُوا۟ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٤٢﴾﴾ [سورۃ آل عمران:١٣٩-١٤٢].

ترجمہ: تم نہ سستی کرو اور نہ غم گین ہو، تم ہی غالب رہوگے، اگر تم ایمان دار رہے۔ اگر تم زخمی ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ شکست احد اس لئے تھی تا کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو ظاہر کردے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالی ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ وجہ بھی تھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹادے۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤگے،

حالانکہ اب تک اللہ تعالی نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔

چنانچہ اللہ نے انہیں غم کرنے اور کمزور ہونے سے منع فرمایا اور یہ خبر دیا کہ کافروں پر وہی غالب رہیں گے۔ اور یہ بتایا کہ اگر ان میں سے کچھ لوگ زخمی اور کچھ لوگ شہید ہوئے ہیں تو ان کی طرح مشرکین بھی زخمی ہوئے ہیں اور مارے گئے ہیں۔ اللہ تعالی نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ نصرت وہزیمت کو اللہ ادلتا بدلتا رہتا ہے۔

اللہ نے کچھ صحابہ کرام کو میدان جنگ میں موت دے کر شہادت کے درجہ سے سرفراز فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں شہید ہوئے، ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام کو شہادت نصیب ہوئی، ان شہداء کی تعداد ستر ہے[۱۵۵]۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

غزوہ بنی النضیر:

استاد: عرب کے بعض یہودی مدینہ میں رہتے تھے، جن میں سے بنو النضیر اور بنو قریظہ بھی تھے۔ ہم جان چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ نامہ لکھا تھا، جس کے اندر دین ومذہب کی آزادی کے ساتھ باعزت زندگی جینے کا حق فراہم کیا گیا تھا۔

اس عہد نامہ کے باوجود ان یہودیوں نے کئی بار اس کی مخالفت کی۔

---

[۱۵۵] بخاری: (۲/۱۱۰) حدیث نمبر: (۴۰۷۹)

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا معاہدہ ہو چکا تھا اور انہوں نے اس پر اپنا اتفاق بھی ظاہر کیا تھا اس کے باوجود انہوں نے آخر کیوں خلاف ورزی کی؟

استاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اندر ہی اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے اس لئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غداری کرنی چاہی۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام دو آدمی کی دیت کے سلسلے میں ان سے مدد اور تعاون کا مطالبہ کیا، انہوں نے ہامی بھر دی اور کہا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی میں آئے اور کسی یہودی کے گھر کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے، ادھر یہودیوں نے اس گھر کی چھت سے آپ کے اوپر پتھر گرانے کی سازش رچ لی، لیکن اللہ تعالی نے وحی کے ذریعہ اپنے نبی کو ان کی اس بدنیتی کی خبر دے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی سے نکل گئے [۱۵۶]۔

شاگرد: تمام تعریفات دونوں جہان کے پروردگار کے لئے ہے جس نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مکاری اور فریب سے محفوظ رکھا۔

استاد: یقیناً اللہ نے اپنے نبی کی مدد کی اور ان کی حفاظت فرمائی۔ ہمیں بھی اللہ تعالی ہی سے مدد اور حفاظت طلب کرنا چاہئے، اللہ ہی اپنے بندوں کو برائیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ قریش نے یہودیوں کو یہ دھمکی دے بھیجی کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہیں کرتے ہو تو ہم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایسی صورت حال میں یہودیوں کے لئے لازم تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیتے لیکن انہوں نے قریش کی ہی حامی بھر دی اور نبی صلی اللہ علیہ

[۱۵۶] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۳/ ۲۰۰-۱۹۹)

وسلم کے ساتھ غداری اور عہد شکنی کا ارادہ بنالیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہو گئی اور آپ نے بنی نضیر سے قتال کیا اور انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا[۱۵۷]، ان میں سے کچھ خیبر اور کچھ شام میں جا کر بس گئے۔

شاگرد: بنی قریظہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی چھوڑ دیا؟

استاد: نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں چھوڑا نہیں، بلکہ آپ نے انہیں بلایا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ فریب اور دھوکا نہیں کریں گے، انہوں نے اس عہد نامہ کو قبول کیا اور واپس ہو گئے[۱۵۸]۔

انہوں نے بھی معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بہ طور انجام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی جنگ کرنی پڑی جس کی تفصیل آئے گی ان شاءاللہ۔

شاگرد: وہ یقیناً اسی طرح کے برے انجام کے حقدار ہیں۔

استاد: ہاں یہ آخری حربہ تھا جو ان کے تئیں اختیار کیا گیا، بہ طور خاص ایسے حالات میں جب کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تکلیف نہ دی تھی اور وہ خلاف ورزی کے درپے تھے، آپ نے تو ان کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا تھا، اس کے باوجود بھی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غداری کی۔ آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی پر ظلم اور ادنی سی زیادتی بھی نہ کی، بلکہ

---

[۱۵۷] أبو داؤد: (۳/۷-۴-۴۰۴) حدیث نمبر: (۳۰۰۴) بہ اختصار
[۱۵۸] سابق مرجع

جنگ اور غزوہ کا سبب خود کفار و مشرکین ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ پہلے بھی ایسا دیکھ چکے ہیں اور آئندہ بھی اس کے نمونے آنے والے ہیں۔

غزوہ خندق:

استاد: غزوہ احزاب سنہ ۵ ہجری میں واقع ہوا[(۱۵۹)] ۔

اس غزوہ کی وجہ یہ بنی کہ بنو نضیر کے کچھ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ لوگ بنو وائل کے کچھ افراد کے ساتھ مل کر مکہ میں قریش کے سردار کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آمادہ جنگ کرتے ہوئے اپنی مدد کا یقین دلایا، قریش نے ان کی بات مان لی۔ اس کے بعد یہود کا یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادہ جنگ کیا، وہ بھی تیار ہو گئے۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق قریش اور دوسرے حلیف قبائل نے مدینے کی جانب کوچ کیا، ان کی تعداد دس ہزار تھی اور ان سب کا سپہ سالار ابو سفیان تھے جو ابھی اسلام نہ لائے تھے[(۱۶۰)] ۔

مشرکین مکہ، دوسرے عربی قبیلے اور یہودیوں کے درمیان ہونے والی اس حلف برداری کو گروہ بندی کہا جاتا ہے، یعنی کہ یہودیوں نے کفار کے تمام بڑے بڑے گروہوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لئے تیار کر لیا۔ اسی وجہ سے اس جنگ کا نام غزوہ احزاب پڑا۔

[(۱۵۹)] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۳/۲۲۴)

[(۱۶۰)] سابق مرجع: (۳/۲۲۶)

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکا کر انہیں اس طرح جنگ کے لئے آمادہ کیا جارہا تھا تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی؟

استاد: ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی اور آپ نے حسب عادت اپنے صحابہ کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ میں خندق کھودے جائیں[۱۶۱] ۔

شاگرد: استاد گرامی! یہ خندق کیا چیز ہے؟

استاد: مدینہ کی سرزمین پتھریلی تھی، جو کوئی بھی انسان یا حیوان اس زمین پر چلتا اسے اپنے قدموں کے نیچے کوئی نرم جگہ نہ محسوس ہوتی، جس کے نتیجے میں چلنے میں بھی دشواری ہوتی تھی۔

شمال مغربی سمت کے علاوہ مدینہ کی ہر جہت میں یہی صورت حال تھی کہ بڑے بڑے پتھر زمین کو سخت بنائے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ ہر طرف سے مامون تھا سوائے شمال مغربی جہت کے، اس لئے انہوں نے اس سمت میں خندق کھودے، یہ خندق لمبے اور گہرے گڈھے ہوا کرتے تھے جن کی وجہ سے اس سمت سے مدینہ میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، اس جہت میں چوں کہ بڑے بڑے پتھر نہیں تھے جو آنے والے کے لئے حائل بنتے اسی لئے خندق کھودے گئے۔

شاگرد: استاد محترم! جلیل القدر صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ رائے نہایت عمدہ رائے تھی۔

---

[۱۶۱] ابن سعد،الطبقات الکبری:(۲/ ۶۶)

استاد: بالکل یہ ایک عمدہ رائے ہے، جس سے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، انسان جب اپنے ساتھیوں اور رفقاء سے مشورہ لیتا ہے تو بسا اوقات ان میں سے کوئی ایک انسان ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جس سے پوری جماعت مستفید ہوتی ہے، اس لئے ہمیں مشورہ لینا چاہیئے، اپنے خاص معاملات میں اہل خانہ اور اساتذہ سے مشورہ کرنا چاہیئے اور ایسے تمام امور میں اہل رائے کا مشورہ طلب کرنا چاہیئے جن میں ہمیں ضرورت محسوس ہو اور اس سلسلے میں شرم وعار سے گریز کرنا چاہیئے۔

مشورہ طلبی کا ہی نتیجہ تھا کہ جب قریش مدینہ پہنچے تو صحابہ کرام کی اس عمدہ اور نئی ترکیب کو دیکھ کر ناک چنے چبانے پر مجبور ہو گئے۔

شاگرد: استاد مکرم! صحابہ کرام نے خندق کیسے کھودا؟

استاد: آپ جانتے ہیں کہ پرانے زمانے میں کھدائی کے لئے آلات نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی آج کل کی طرح کمپنیاں کام کرتی تھیں اور نہ ہی مزدور ہوا کرتے تھے جو یہ سب کام انجام دیں۔ بلکہ لوگ خود ہی سارے کام کیا کرتے تھے اور کدال اور پھاوڑے جیسے معمولی آلات کا استعمال ہوتا تھا جو کہ ہاتھ سے استعمال کرنے والے آلات ہیں، وہ خود ہی خندق سے مٹی نکالتے اور خود ہی ڈھوتے تھے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بنفس نفیس خندق کی کھدائی اور مٹی اٹھانے میں شریک تھے یہاں تک کہ مٹی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ ڈھک گیا تھا، آپ صحابہ کرام کو حوصلہ دیتے اور ان کے ہمراہ یہ گنگناتے:

اللهم لو لا انت ما اهتدينا و لا تصدقنا و لا صلينا[١٦٢] ۔

---

[١٦٢] بخاری: (٣/١١٧-١١٦) حدیث نمبر: (٤١٠٦)

ترجمہ: اے اللہ! اگر تیرا فضل اور کرم نہ ہوتا تو ہم نہ تو ہدایت پا سکتے تھے اور نہ ہی نماز اور صدقہ ادا کرتے۔

شاگرد: استاد محترم! کتنا اچھا لگتا ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام کے ساتھ خندق کی کھدائی میں شریک رہے ہوں گے، اور آپ جب ان کے ساتھ یہ پیارے جملے گنگناتے ہوں گے تو کتنا روحانی سما بندھتا ہوگا۔

استاد: سہی، بڑا پر کیف منظر رہتا ہوگا۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی کاموں میں بھی ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہئے، اور باہم مل جل کر کام کرنا چاہئے، سستی اور کاہلی سے باز رہنا چاہئے اور محنت اور لگن سے اپنا کام انجام دینا چاہئے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انسان کام کرتے ہوئے نفس کی تسکین اور تکان کا احساس کم کرنے کے لئے گنگنا بھی سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ باتیں اچھی اور خوش معنی ہوں۔

شاگرد: کیا وہ کھدائی کے دوران اپنے اپنے گھر بھی جایا کرتے تھے؟

استاد: کھدائی کے دوران کوئی صحابی گھر نہیں جاتے تھے، ہاں جن کو کوئی حاجت اور ضرورت در پیش ہوتی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کر کے جاتے اور جلد ہی لوٹ آتے کیوں کہ انہیں اللہ کا اجر و ثواب مطلوب تھا، اس لئے وہ بغیر ضرورت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نہیں جاتے۔ لیکن کچھ منافقین ایسے تھے جو تھوڑا بہت کام کرتے اور چوری چھپے اپنے گھر چلے جاتے [١٦٣]۔

---

[١٦٣] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٣/٢٢٧-٢٢٦)

شاگرد: اتنی مشغولیت میں وہ کھانا کیسے کھاتے تھے استاد گرامی؟

استاد: اس وقت کی زندگی بڑی مشقت آمیز تھی، لیکن چوں کہ ان کا ایمان اتنا مضبوط تھا کہ وہ بھوک پیاس کو برداشت کر جاتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ایک چلو جو لے کر آتا اور صحابہ کے لئے کھانا تیار کرتا، فاقہ کی یہ نوبت تھی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے[۱۶۴]۔

اس لئے ہمیں اپنے کاموں میں صبر کی اہمیت کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور یہ یاد کرنا چاہئے کہ کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر واستقامت سے کام لیا۔ ہمیں نعمتوں پر اللہ کی تعریف اور حمد بجالانا چاہئے اور اپنے منعم حقیقی اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہمیں اتنی ساری خیر وبھلائی، نوع بہ نوع کے رزق اور طرح طرح کے کھانے عطا کئے۔

شاگرد: استاد محترم آپ نے بجا فرمایا ہمیں بے بہا نعمت اور بڑی فراخی کی زندگی حاصل ہے۔ ہمیں اس بے پناہ فضل وکرم پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

استاد: اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ بھی ظاہر ہوا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جب دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں اور تین دن سے آپ نے کوئی دانا نہیں چکھا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر گئے، دیکھا کہ ان کے گھر میں بہت تھوڑے جو اور ایک چھوٹی سی بکری ہے، انہوں نے بکری ذبح کی اور جو کو پیس کر کھانا تیار کیا، اس کے بعد جا کر نبی

---

[۱۶۴] بخاری: (۳/۱۱۶-۱۱۵) حدیث نمبر: (۴۱۰۱)

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ حضرت جابر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ اور کوئی ایک یا دو آدمی اور آپ کے ساتھ چلیں اور کھانا تناول کر لیں۔

کیوں کہ کھانا اتنا ہی تھا کہ تین یا چار لوگ کھا سکتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بہت ہے اور عمدہ ہے)، اس کے بعد آپ نے تمام مہاجر اور انصار صحابہ کرام کو ندا لگائی اور فرمایا: سب کے سب میرے ساتھ چل پڑو۔ آپ حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کھانا پیش کرتے رہے یہاں تک کہ سب شکم سیر گئے اور کھانا جوں کے توں رہا، جب کہ صحابہ کی تعداد ایک ہزار تھی[(۱٦۵)]۔

اس معجزہ پر غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھوڑے سے کھانا کو اتنا زیادہ کر دیا کہ سب کے سب شکم سیر ہو گئے اور کھانا جوں کے توں رہا۔ نیز یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ آپ نے شروع میں ہی نیک فالی لیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: کثیر طیب (بہت ہے اور عمدہ ہے)۔

شاگرد: استاد! یہ نہایت ہی عظیم معجزہ ہے۔

استاد: یقینا یہ ایک بڑا معجزہ ہے لیکن اللہ تعالی کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، اس لئے ہمیں اللہ تعالی سے ہر چیز میں برکت کی دعا کرنی چاہئے کیوں کہ جب کسی چیز میں اللہ کی برکت نازل ہوتی ہے تو وہ بیش بہا خیر و بھلائی کا خزانہ بن جاتی ہے۔ آپ اپنے رب سے صحت و تندرستی، علم، مال و دولت اور ہر ایک چیز میں برکت کی دعا کریں تا کہ آپ کی انفرادی زندگی اللہ تعالی کی مہربانی اور فضل سے بابرکت بن سکے۔

[(۱٦۵)] بخاری: (۳/۱۱٦-۱۱۵) حدیث نمبر: (۴۱۰۱) اور (۴۱۰۲)

شاگرد: واللہ یہ بڑے عظیم واقعات ہیں اور ان کے اندر ہمارے لئے بہت سی نصیحتیں پوشیدہ ہیں۔

صحابہ کرام نے بڑی مشقتیں برداشت کیں اور بہت سے مشکلات کا سامنا کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ خندق کی کھدائی مکمل کر سکے اور وہ مشرکین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی نیت سے نکلے تھے انہوں نے کیا حربہ اپنایا؟

استاد: صحابہ کرام نے خندق کی کھدائی مکمل کی، جب مشرکین کا لشکر آیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے کھائی ہے اور راستہ عبور کرنا دشوار ہے، وہ دس ہزار کی تعداد میں تھے جب کہ اسلامی لشکر کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ مشرکین بیس دنوں سے زیادہ تک مدینہ کا محاصرہ کئے رہے۔ یعنی وہ خندق کے قریب بیس دنوں تک بیٹھے رہے اور مدینہ میں داخل ہونے کی پیہم کوشش کرتے رہے یا اس انتظار میں رہے کہ مسلمان ہی مدینہ سے باہر نکل آئیں۔

اسی اثناء اور سخت ترین حالات میں بنو قریظہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد وپیان توڑ دیا، یہ یہود مدینہ کے عوالی میں رہتے تھے۔

شاگرد: اس کا کیا مطلب ہے؟

استاد: مسلمان چوں کہ مشرکین سے نمٹنے اور ان کے جنگی چال اور پیش قدمی کا جائزہ لینے میں مشغول تھے اور بنو قریظہ مدینہ کے اندر ہی موجود تھے، اس لئے یہ احتمال موجود تھا کہ کہیں یہ یہود مسلمانان مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائیں اور ان کی عورتوں، بچوں اور مال وجائداد کو نقصان نہ پہنچانے لگیں۔ اس لئے حالات نہایت سنگین اور پریشان کن تھے۔ آپ کے خارجی دشمن مدینہ کے دہلیز پر خندق کا گھراؤ کئے ہوئے تھے اور داخلی دشمن جو کہ بنو قریظہ کے یہودی تھے وہ مدینہ کے اندر ہی گھات میں بیٹھے تھے۔

اللہ تعالی نے سورۃ احزاب جو کہ غزوہ کے نام سے ہی موسوم ہے، میں مؤمنوں کے حالات کو یوں بیان فرمایا ہے : ﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾﴾ [سورة الأحزاب: ١٠].

ترجمہ: جب کہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ تعالی کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

اوپر سے آنے والوں سے مراد مشرکوں کا لشکر ہے، اور نیچے سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ اس دشوار کن صورت حال سے مسلمان خائف وہراساں تھے۔

اس آزمائش سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھار مؤمن کو ابتلاء وآزمائش کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ نے اس غزوہ میں مؤمنوں کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کیا۔ لیکن اللہ تعالی ہمیشہ مومنوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور انجام کار سے صرف اللہ تبارک وتعالی ہی واقف ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے یہ دعا فرمائی کہ:(اللهم منزل الكتاب وسريع الحساب اهزم الأحزاب اللهم اهزمهم وزلزلهم)[١٦٦] ۔

ترجمہ: اے اللہ! جس نے کتاب نازل فرمائی، جو جلد محاسبہ کرنے والا ہے، ان گروہوں کو شکست دے، اے اللہ! انہیں شکست سے دوچار کر اور ان کے اندر بھونچال پیدا کر دے۔

[١٦٦] بخاری:(٣/١١٨) حدیث نمبر:(٤١١٥)

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ہتھیار دعاء ہی تھا۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن بھی دعا کی تھی جس کے بعد مسلمانوں کو فتح وکامرانی نصیب ہوئی۔

استاد: ہاں یقینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ہتھیار دعا ہی ہوا کرتا تھا جس کی بدولت آپ دشمنوں، شیطانوں اور ہر چیز پر غلبہ حاصل کرتے، اس لئے ہمیں ہر معاملہ میں دعا کو لازم پکڑنا چاہئے اور کبھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

بنی قریظہ سے نمٹنے کے لئے آپ نے یہ طریقہ اپنایا کہ سلمہ بن اسلم کو دوسو آدمی اور زید بن حارثہ کو تین سو آدمی کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ تکبیریں بلند کرتے ہوئے مدینہ جائیں اور اس کی حفاظت وحراست پر تعینات رہیں۔[۱٦٧]

مشرکوں کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر جو خندق کے اس پار اپنا پڑاؤ ڈالے ہوا تھا، اللہ نے ان پر تیز وتند آندھی بھیج دی جس کے بعد وہ وہاں بیٹھے رہنے کے بھی قابل نہیں رہے، ان کے دل میں خوف وہراس پیوست ہوگیا اور ان کی ہانڈیاں پلٹ گئیں، آندھی کے جھونکوں سے چولہے بجھ گئے اور طوفانی ہوا نے ان کے خیمے اکھیڑ دئے اور وہ مدینہ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اس طرح اللہ تعالی نے ہوا کے ذریعہ جو کہ اللہ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے، اپنے رسول اور مومنوں کی مدد فرمائی۔ اس واقعے کو اللہ نے سورہ احزاب میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ ﴾ [سورة الأحزاب: ٩].

---

[۱٦٧] ابن سعد' الطبقات الکبری: (٢/٦٧)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالی نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جب کہ تمہارے مقابلے کو فوجوں پر فوجیں آئیں پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالی سب کچھ دیکھتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: (نہیں ہے کوئی معبود حقیقی سوائے صرف اس اللہ کے جس نے اپنی لشکر کو عزت و تمکنت عطا فرمائی، اپنے بندے کی مدد کی اور تن تنہا تمام فوجوں پر غالب ہو گیا، اس کے بعد کسی کی حاجت نہیں)[١٦٨] ۔

زوہ بنی قریظہ:

استاد: غزوہ احزاب سے لوٹنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار رکھے اور غسل فرمایا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: کیا آپ نے ہتھیار ڈال دئے؟ واللہ میں نے اپنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ آپ بھی ہتھیار نہ ڈالیں بلکہ بنی قریظہ سے جنگ کے لئے نکل پڑیں[١٦٩] ۔ چناں چہ غزوہ خندق کے بعد ذوالقعدہ سنہ ۵ ہجری میں غزوہ بنی قریظہ پیش آیا[١٧٠] ۔

[١٦٨] بخاری: (٣/١١٨) حدیث نمبر: (٤١١٤)

[١٦٩] سابق مرجع: حدیث نمبر: (٤١٢٢)

[١٧٠] ابن سعد، الطبقات الکبری: (٢/٧٤)

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں مال غنیمت تقسیم کیا، کچھ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ سے پناہ طلب کی تو آپ نے انہیں پناہ دیا اور وہ اسلام میں داخل ہوگئے، باقی تمام یہودیوں کو آپ نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا[١٧١] ۔

شاگرد: ان کو یہ سزا اس لئے ملی کیوں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ غداری اور خیانت کی تھی۔

استاد: ہاں، خیانت ایک بڑا جرم ہے۔ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان کو توڑ دیا اور اس کی خلاف ورزی کی، جس کے نیتجے میں اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ان سے قتال کرنے کا حکم فرمایا۔

غزوہ حدیبیہ:

استاد: حدیبیہ ایک کنوئے کا نام ہے جو مکہ سے ۲۲ کیلو میٹر کے فاصلے پر شمال مغربی سمت میں واقع ہے، اورآج کل شمیسی کے نام سے جانا جاتا ہے[١٧٢] ۔

ذوالقعدہ سنہ ٦ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے لئے نکلے[١٧٣] ۔

شاگرد: کیا انہیں قریش کا ڈر نہ تھا؟

---

[١٧١] بخاري: (٣/٩٧) حديث نمبر: (٤٠٢٨)
[١٧٢] اکرم ضیاء العمری' السيرة النبوية: (٢/٤٢٤)
[١٧٣] ابن سعد' الطبقات الكبرى: (٢/٩٥)

استاد: قریش کا ڈر تو ضرور تھا لیکن آپ جنگ کے لئے نکلیں اور آپ عمرہ کی نیت سے نکلیں اور جنگ کا ارادہ نہ ہو، دونوں میں فرق ہے۔ تاہم یہ احتمال بہر حال موجود تھا کہ قریش انہیں عمرہ کرنے سے روکیں گے، ان سے قتال کریں گے اور یہ بھی احتمال تھا کہ وہ انہیں عمرہ کرنے سے نہ روکیں۔ یہ تینوں احتمالات موجود تھے۔

شاگرد: قریش کو یہ خبر کیسے مل سکتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے نکل رہے ہیں؟

استاد: جب صحابہ احرام پہن کر ہدی کے جانوروں کے ساتھ نکلتے تو قریش کو اس کی خبر لگنی ہی تھی کہ وہ عمرہ کے لئے نکل رہے ہیں۔ ہدی کے جانور سے مراد وہ جانور ہے جسے حرم کے اندر یوم النحر کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ مسلمان ۱۴سو یا اس سے کچھ زیادہ تعداد میں مکہ کے لئے روانہ ہوئے[۱۷۴]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے حالات کا پتہ لگانے کے لئے ایک جاسوس مکہ بھیجا، یہ قبیلہ خزاعہ کا آدمی تھا، اس قبیلے کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیا کرتے تھے، اس شخص کا نام بشر بن سفیان الخزاعی تھا[۱۷۵]۔

شاگرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اچھا کیا کہ حالات کا پتا لگانے کے لئے جاسوس بھیج دیا۔

---

[۱۷۴] بخاری: (۳/۱۲۸-۱۲۷) حدیث نمبر: (۴۱۱۵)

[۱۷۵] بخاری: (۲/۱۳۱) حدیث نمبر: (۴۱۷۸، ۴۱۷۹)

استاد: احتیاط اور بچاؤ کے لئے یہ نہایت ضروری تھا تاکہ آپ قریش کی نیت کا اندازہ لگا سکیں کہ وہ آپ سے جنگ کرنے اور عمرہ سے آپ کو روکنے کے ارادے میں ہیں یا ان کی کچھ اور سازش ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اپنے خاص مسائل میں بھی جب حالات سنگین ہوں تو ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ کے راستے ہی میں تھے کہ بشر بن سفیان الخزاعی نے آکر یہ خبر دی کہ: قریش نے پوری فوج بندی کر رکھی ہے اور وہ آپ سے جنگ کرنے اور بیت اللہ سے آپ کو روکنے کے ارادے میں ہیں [١٧٦]۔ یعنی کہ انہوں نے لشکر کو تیار کر رکھا ہے اور آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا چاہتے۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر کیا کیا؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ حدیبیہ کی طرف چل پڑے، حدیبیہ میں جاکر پڑاؤ ڈالا، صحابہ کو اس جگہ پر پانی تو ضرور ملا لیکن پانی اتنے کم مقدار میں تھا کہ جلد ہی ختم ہو گیا، صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی اور اس مقام پر بھی ایک معجزہ ظاہر ہوا۔ وہ اس طرح کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر نکالا اور صحابہ کو دیتے ہوئے کہا کہ جس جگہ سے پانی نکل رہا تھا اس جگہ پر اسے نصب کر دیں، ایسا کرنا تھا کہ پانی کے فوارے نکلنے لگے، سبھوں نے سیر ہو کر پیا اور اپنے مشکیزے بھر لئے [١٧٧]۔

---

[١٧٦] سابق مرجع

[١٧٧] بخاری: (٢/ ٢٨٠-٢٧٩) حدیث نمبر: (٢٧٣٢-٢٧٣١)

شاگرد: یہ ایک بڑی نعمت تھی۔

استاد: یقیناً یہ معجزات اللہ کی طرف سے ملنی والی بڑی نعمتیں تھیں، صرف صحابہ کرام نے زمین میں تیر نصب کیا اور اس سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، یہ اللہ کی برکتیں ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر بابرکت بنا کر بھیجا تھا۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر تھے کہ بدیل بن ورقاء الخزاعی نامی بنی خزاعہ کا ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ اطلاع دی کہ قریش بھی حدیبیہ پہنچ گئے ہیں اور وہ آپ سے جنگ کرنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے والے ہیں، آپ نے بتایا کہ آپ جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جنگ کی وجہ سے قریش کے بہت سے لوگ مارے جا چکے ہیں، اس لئے آپ نے انہیں صلح کا اختیار دیا اور کہا کہ: وہ آپ کو لوگوں تک دین الٰہی پہنچانے سے نہ روکیں، اگر یہ دین لوگوں میں عام ہو جائے گا تو انہیں اختیار ہو گا کہ چاہیں تو قبول کریں اور چاہیں تو نہ کریں، اگر قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش کش منظور نہ ہو تو آپ نے فرمایا: (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے اس دین کی خاطر اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن نہ اتر جائے اور اللہ کا دین نہ نافذ ہو جائے)[۱۷۸] ۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی قسم کھا کر یہ بات کہی کہ آپ اپنی دعوت سے

---

[۱۷۸] بخاری: (۲/ ۲۸۴-۲۷۹) حدیث نمبر: (۲۷۳۲-۲۷۳۱)

باز نہیں آئیں گے اور اگر وہ آپ کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے تو آپ ان سے جنگ لڑیں گے تا آنکہ آپ کی گردن آپ کے جسم سے جدا نہ ہو جائے۔

شاگرد: یہ بہت بڑی بات ہے، آپ کی دعوت سے قریش کو کوئی نقصان بھی تو نہ تھا۔

استاد: یہ ایک مناسب اور منصفانہ بات تھی، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام قبول کرنے کے لئے ان کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کی بلکہ انہیں جنگ سے دور رہنے کی پیش کش کی، انہیں بتایا کہ وہ یہ ہرگز نہ سوچیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے اور ان تک دین الہی پہنچانے سے باز آجائیں گے ،وہ کبھی اپنے اس مشن سے باز نہیں آسکتے خواہ ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، نیز آپ نے ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنا حکم نافذ فرمائے گا۔

شاگرد: شاید قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش کش اور آپ کی یہ رائے منظور کرلی ہو؟

استاد: بدیل الخزاعی نے جاکر قریش کو یہ ساری باتیں بتلائی۔

اسی درمیان مسلمانوں کے پاس ایک خبر یہ آئی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قتل کر دئے گئے ہیں، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات اور موقف پہنچانے کے لئے انہیں ہی قریش کے پاس بھیجا تھا۔ اسی موقع پر بیعت رضوان واقع ہوئی۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لی، صرف ایک منافق رہ گیا جس نے بیعت نہ لی، وہ اپنے اونٹ کے پیچھے جاکر چھپ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور پھر

اسے اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا: یہ عثمان کے بدلے ہے[١٧٩] ۔یعنی کہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی نیابت میں خود بیعت لی جس طرح تمام صحابہ نے اپنی اپنی بیعت لی، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک مشن پر گئے ہوئے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کا بھی کس طرح خیال رکھتے تھے جو کسی وجہ سے آپ کے پاس موجود نہ ہوا کرتے تھے، بیعت رضوان ایک بابرکت بیعت تھی جس کے بارے میں آپ نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: (آج تم اس روئے زمین کے سب سے بہتر لوگ ہو)۔یہ ایک عظیم مقام ومرتبہ تھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک تو ضرور تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی مشن میں جانے کی وجہ سے بیعت کے وقت موجود نہ تھے، اس بیعت کا ذکر اللہ نے قرآن کریم میں یوں فرمایا ہے: ﴿ لَّقَدْ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ١٨ ﴾ [سورة الفتح:١٨].

ترجمہ: یقینا اللہ تعالی مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا۔

شاگرد: کیا قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے اور پیش کش قبول کرلی؟

---

[١٧٩] بخاری: (٣/١٩) حدیث نمبر: (٣٦٩٨)

استاد: بہ ظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ قریش نے یہ پیش کش قبول نہ کی، اور عروۃ بن مسعود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کے لئے بھیج دیا، وہ آپ سے بات چیت کرنے کے بعد اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور ان کے سامنے یہ عرضی رکھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لیں، لیکن انہوں نے ماننے سے یکسر انکار کر دیا، اس کے بعد قریش کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ: مجھے اجازت دی جائے کہ ان سے جاکر بات کروں، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور اپنی قوم کو جاکر کہا کہ: میری رائے یہ ہے کہ انہیں بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ لیکن قریش نے ان کی بھی نہ سنی، بالآخر سہیل بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معاملات صلح طے کرنے کی بات کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ لکھا گیا(١٨٠) ۔

شاگرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان کس بات کی صلح ہوئی؟

استاد: طرفین میں صلح کے جو دفعات طے ہوئے تھے، ان میں درج ذیل دفعات بھی شامل تھے:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس ہو جائیں اور اگلے سال آکر عمرہ کریں۔
- قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد کے پاس جائے گا محمد اسے واپس کر دیں گے۔
- جو محمد کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا۔

---

(١٨٠) بخاری: (٢/٢٨٤-٢٧٩) حدیث نمبر: (٢٧٣٢-٢٧٣١)

شاگرد: لیکن یہ کوئی عدل پر مبنی معاہدہ تو نہ تھا۔

استاد: صحیح بات ہے، اس صلح میں عدل کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا، جس کی وجہ سے صحابہ کرام کو حیرانی بھی تھی، اور ان کو اس بات پر تعجب بھی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کو قبول کیسے کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کرتے اور آپ کا ہر بار یہی جواب ہوتا کہ: (میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا)[١٨١] ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے وحی الہی کی روشنی میں اس صلح کو قبول فرمایا تھا، کیوں کہ ہمیشہ اللہ تعالی کی معیت اور نصرت آپ کے شامل حال ہوتی تھی اور اللہ تعالی ہی آپ کی رہنمائی اور فہمائش کرتا تھا، اللہ تعالی پہلے سے ہی اس بات سے واقف تھا کہ یہ صلح قریش کے مفاد میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے مفاد میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہمارا ناقص فہم اس کا ادراک کرنے سے قاصر تھا جس کی وجہ سے ہم نے یہ سمجھا کہ صلح مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔

شاگرد: اس میں مسلمانوں کا کیا فائدہ تھا؟ استاد محترم! آپ اس کی وضاحت کر سکتے ہیں؟

استاد: اس معاہدہ کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی اور قریش خود اس صلح نامہ کو توڑنے پر مجبور ہوگئے، ہوا یوں کہ جب بھی کوئی قریشی اسلام قبول کرتا وہ قریش سے نکل جاتا لیکن وہ معاہدہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا، اس لئے یکے بعد دیگرے ان نومسلموں کی ایک اچھی خاصی اور مضبوط جماعت تیار ہوگئی اور وہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں قریش

---

[١٨١] سابق مرجع

کے تجارتی قافلوں کی چھیڑ خانی کرنے لگے جس سے قریش تنگ آگئے اور ہار مان کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ گزارش اور التجاء کی کہ اس شرط کو کالعدم قرار دے دیا جائے کہ جب کوئی قریشی مسلمان بن کر محمد کے پاس آئے گا، وہ اسے واپس کر دیں گے۔ انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ: آپ انہیں واپس نہ کریں بلکہ اپنی جماعت میں شامل کرلیں اور اپنے پاس ہی رکھیں۔

غور کریں کہ کیا یہ مسلمانوں کی فتح اور جیت نہ تھی؟

شاگرد: یقیناً یہ مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک کامیابی اور فتح تھی کہ قریش خود آکر اس شرط کو ختم کرنے کا مطالبہ کریں۔

استاد: جب ان شروط کے ساتھ صلح کے دفعات طے ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال منڈوائے اور ہدی کو ذبح کیا، صحابہ کرام بھی چوں کہ مدینہ سے عمرہ کا احرام پہن کر آئے تھے اور ساتھ میں ہدی کے جانور بھی ہانک لائے تھے، اس لئے انہوں نے بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے ایسا ہی کیا، اس کے بعد صحابہ کرام کا یہ قافلہ مدینہ لوٹ آیا۔

اس طرح صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے فتح ونصرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا، کیوں کہ قریش نے خود تنازل اختیار کرلیا اور دن بہ دن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اور جنگ کی نوبت آنے سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے، صلح کی اس مدت میں اسلام لانے والوں کی تعداد صلح سے ماقبل مسلمانوں کی جو تعداد تھی، اس کے برابر یا اس سے بھی زیادہ تھی[(١٨٢)]۔ بلکہ صحابہ کرام ابھی مدینہ کے راستے ہی میں تھے کہ سورہ فتح کا نزول ہوا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ١﴾ [سورة الفتح: ١].

---

(١٨٢) ابن هشام، السيرة النبوية: (٣/ ٣٣٧-٣٣٦)

ترجمہ: بے شک اے نبی ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے اس سورہ کی تلاوت فرمائی تو ایک انصاری صحابی بول پڑے: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا: (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ یہ فتح اور کامرانی ہے)[١٨٣] ۔

شاگرد: استاد محترم! یہ بڑی اچھی اور عمدہ بات ہے کہ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد پہلے سے دوگنی ہو گئی۔

استاد: صحیح، مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سچ اور حق ہے، نیز اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ہماری عقلیں ہر چیز کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اس لئے ہمیں اللہ سے مدد اور معاونت طلب کرنی چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ ہمیں درست فہم اور راست روی عطا کرے۔

---

[١٨٣] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (٣/ ٣٣٢)

غزوہ خیبر:

استاد: جب قبیلہ بنو النضیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ خیبر میں جا کر بس گئے، جب کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ملک شام کو اپنا جائے قرار بنایا[۱۸۴] ۔

خیبر ایک بڑا شہر ہے جس کے اندر بہت سے قلعے اور کھجور کے باغات بھی تھے۔

شاگرد: استاد محترم قلعہ کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

استاد: قلعہ سے مراد وہ بلند وبالا فصیلیں اور دیواریں ہیں جو شہر کے نواحی میں بنائی جاتی ہیں تاکہ کوئی دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے، شہر میں آنے جانے کے لئے کچھ دروازے کھلے ہوتے تھے جنہیں رات ہوتے ہی بند کر دیا جاتا تھا، ایک شہر میں کئی ایک قلعے بھی ہو سکتے ہیں، اس طرح کہ ہر سمت کی حفاظت کے لئے الگ قلعہ ہو، مثلاً مشرقی جہت میں ایک قلعہ ہو جو اس جہت کو اپنے حصار میں لئے ہوا ہو، پھر دوسری جہت میں دوسرا قلعہ ہو۔

محرم سنہ ۷ ہجری کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف نکلے[۱۸۵] ۔ خیبر کے یہودیوں نے غزوہ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے، کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کو آمادہ جنگ کرنے اور انہیں برانگیختہ کرنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا تھا۔

شاگرد: کیا خیبر والوں سے مسلمانوں کی جنگ بھی ہوئی تھی؟

---

[۱۸۴] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۳/۲۰۱)

[۱۸۵] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ: (۳/۳۴۲)

استاد: ہاں، مسلمان خیبر پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کا محاصرہ کر لیا[۱۸۶] ۔

شاگرد: محاصرہ کرنے کا مطلب کیا ہے؟

استاد: محاصرہ کا مطلب یہ ہے کہ لشکر شہر یا گاؤں کے مدخل (دروازے) پر پڑاؤ ڈالے تاکہ شہر کے لوگ نہ نکل سکیں اور نہ باہر سے اندر جا سکیں۔

چوں کہ خیبر میں بہت سے قلعے تھے اس لئے مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے ہر ایک قلعے کا محاصرہ کرنا شروع کیا، جب ایک قلعہ فتح ہو جاتا تو دوسرے کی طرف بڑھ جاتے۔ ایک قلعہ اپنے محل وقوع کی نزاکت اور اسٹراٹیجی کے اعتبار سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کا فتح کرنا قدرے مشکل تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کل میں جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ ہمیں فتح یاب کرے گا، وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں)[۱۸۷] ۔

شاگرد: اللہ اور اس کے رسول جس صحابی سے محبت کرتے ہوں ان کے لئے یہ بڑے مقام ومرتبہ کی بات ہے۔

استاد: یقیناً یہ ایک بڑا مقام اور بلند مرتبہ ہے، اور اس جلیل القدر صحابی کے تعلق سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت وگواہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام پوری رات اس موضوع پر گفتگو کرتے

---

[۱۸۶] بخاری: (۳/۱۳۵-۱۳۴) حدیث نمبر: (۴۱۹۶)

[۱۸۷] بخاری: (۳/۱۳۸-۱۳۷) حدیث نمبر: (۴۲۱۰)

رہے کہ یہ عالی مقامی اور خوش نصیبی کسے ملنے والی ہے، ہر ایک یہی آرزو باندھے اور آس لگائے تھا کہ جھنڈا اسے مل جائے گا۔

شاگرد: استاد گرامی! ہمیں بتائیں کہ وہ خوش نصیب اور عظیم المرتبت صحابی کون ہیں؟

استاد: جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان کی تو آنکھ لگی ہوئی ہے)[۱۸۸] ۔یعنی کہ وہ آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے اس مجلس میں حاضر نہیں ہو سکے ہیں، اس لئے وہ دشمن کے مقابلہ کرنے کی ذمہ داری ادا نہیں کر پائیں گے۔

شاگرد: استاد محترم! اس کے بعد کیا ہوا؟ آپ نے جھنڈا کسی دوسرے صحابی کو دے دیا؟

استاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (انہیں بلاؤ، وہ لائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی، وہ شفا یاب ہوگئے، گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں)[۱۸۹]۔

شاگرد: استاد محترم! یہ ایک معجزہ تھا۔

استاد: ہاں یہ ایک معجزہ تھا جسے اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہر کیا، اللہ نے اپنے نبی کو عزت ومقام دیا اور ان کی ہر ایک چیز میں برکت پیدا فرمادی۔

---

[۱۸۸] سابق مرجع

[۱۸۹] سابق مرجع

استاد: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فوج لے کر اس قلعے کے سامنے پہنچے، یہودی قلعے سے نکل مسلمانوں کے مد مقابل آ کھڑے ہوئے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ لڑی۔ قلعہ کا ایک دروازہ ایسا بھی تھا جسے اٹھانے کے لئے کئی بہادر مرد درکار تھے، حضرت علی نے تنہا اسے اپنے ہاتھوں پہ اٹھالیا اور اس کے ذریعہ دشمنوں کی تلواروں سے بچاؤ کرنے لگے، وہ پیہم دشمنوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے ہاتھوں اس قلعہ کو فتح کر دیا، اس کے بعد انہوں نے اس دروازہ کو زمین پر رکھ دیا[۱۹۰] ۔

شاگرد: اس کا مطلب ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بہت مضبوط اور بہادر تھے۔

استاد: ہاں ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ مضبوط اور بہادر انسان تھے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالی نے اس جنگ کے موقع پر ان کی طاقت وقوت کو اتنا دوبالا کر دیا تھا کہ تن تنہا اس دروازہ کو اٹھائے پھر رہے تھے جسے اٹھانے کے لئے کئی ایک توانا مردوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ محض توفیق الہی کی دین تھی کیوں کہ اللہ اور رسول اللہ ان سے محبت رکھتے تھے اور وہ بھی اللہ اور رسول اللہ سے محبت کرتے تھے۔ ہمیں بھی اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا چاہئے، جب ہم اللہ سے محبت کریں گے تو اللہ ہماری طاقت وقوت میں، سماعت وبصارت میں، فہم وفراست میں اپنی توفیق سے سرفراز فرمائے گا، ہر طرح کے شرور وفتن سے ہماری حفاظت کرے گا اور ہمیں ہر قسم کی بھلائی کی توفیق عطا کرے گا۔

شاگرد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب فتح حاصل ہوئی تو انہوں نے کیا اقدام کیا؟

---

[۱۹۰] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۳/ ۳۵۰-۳۵۹)

استاد: جب خیبر والوں کو شکست ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر سے نکالا نہیں، بلکہ چوں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سخی اور داتا تھے اس لئے آپ نے انہیں خیبر ہی میں رہنے دیا اور اس شرط پر انہیں وہاں کھیتی کرنے کی اجازت دی کہ پیداوار کا نصف حصہ ان کا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہو گا۔

جب اہل فدک کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہے تو وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر کا معاملہ کیا جائے، چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بھی اسی شرط پر مصالحت کے لئے تیار ہوئے کہ پیداوار کا نصف حصہ ان کا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہو گا۔

اسی غزوہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ زینب بنت الحارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھونی ہوئی بکری بھیجی جس میں زہر ملا رکھی تھی اور چوں کہ وہ جانتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا بازو زیادہ پسند ہے اس لئے اس نے اس حصہ میں زیادہ ہی زہر ڈالا[(١٩١)] ۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اس طرح کا فیاضانہ برتاؤ کیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی اوچھی حرکت کرنے پر تل آئے۔

استاد: یقیناً یہ ایک اوچھی حرکت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کی غداری اور دھوکے بازی کی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بازو کو اپنے منہ میں لیا تو آپ کو بدمزگی محسوس ہوئی اور

[(١٩١)] سابق مرجع: (٣/٣٥٣-٣٥٢)

آپ نے اسے منہ سے نکال پھینکا۔ آپ کے ساتھ بشر بن البراء رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے کھالیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مجھے یہ ہڈی بتارہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے)[۱۹۲] ۔

شاگرد: اللہ اکبر۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہڈی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتارہی ہے کہ اس میں زہل ملا گیا ہے۔

استاد: ہاں، چوں کہ ہڈی کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور اس ہڈی کو اللہ نے قوت گویائی بخش دی اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت سے باخبر کردیا، اسلوب ایسا تھا جسے ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ضرور مل گئی۔ رہی بات حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی تو وہ زہریلا گوشت نگل چکے تھے اس لئے ان کی موت ہو گئی۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کیا سزا دی؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: کیوں کہ آپ نے میری قوم سے جنگ لڑی، تو میں نے سوچا کہ: اگر وہ بادشاہ ہوں گے تو ہمیں ان سے نجات مل جائے گی اور اگر وہ نبی ہوں گے تو ان کا رب انہیں حقیقت سے باخبر کردے گا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کردیا۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کردیا جب کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے درپے تھی۔ یقیناً یہ بڑے اخلاق کی بات ہے۔

---

[۱۹۲] سابق مرجع

استاد: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند اخلاق کے حامل انسان تھے، آپ پر جو ظلم کرتا اور آپ کو اذیت پہنچاتا آپ اسے در گزر کرتے، یقینا آپ اپنے برتاؤ اور معاملات میں نہایت سخی اور فیاض تھے۔ ہمیں بھی اپنے اخلاق و کردار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا کی پیروی کرنی چاہئے اور آپ کے اسوہ پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط:

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپ نے نجاشی شاہ حبش، ہرقل شام روم، کسری شاہ فارس، مقوقس حاکم اسکندریہ اوران جیسے دیگر بادشاہوں اورامراء کو خط لکھا[۱۹۳]۔

شاگرد: کیاان بادشاہوں کی زبان بھی عربی تھی؟

استاد: آپ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام کو بطور قاصد منتخب کرکے ان بادشاہوں اورامراءکے پاس خطوط دے کر روانہ کیا تھا، وہ ان قوموں کی زبان جانتے تھے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا، جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے ان سے ان کی قومی زبان میں ہی بات کی۔ جب آپ نے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا، یہ نقش تین سطروں میں تھا[۱۹۴]۔

---

[۱۹۳] ابن سعد، الطبقات الکبری: (۱/۲۹۱-۲۵۸)

[۱۹۴] سابق مرجع

شاگرد: یہ بہت اچھی بات ہے کہ صحابہ کرام کو دوسرے ممالک کی زبان بھی آتی تھی۔

استاد: آپ پہلے جان چکے ہیں کہ شروعاتی دور میں پڑھنا لکھنا بہت کم لوگوں کو آتا تھا۔ آپ غور کریں کہ کس طرح عہد نبوی میں مسلمانوں کے اندر تعلیم کو کتنا فروغ ملا کہ انہوں دوسرے ملکوں کی زبان بھی سیکھ لی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام تعلیم کو فروغ دیتا ہے بلکہ دوسری زبانیں سیکھنے کی بھی اجازت دیتا ہے تاکہ ہم ان زبان والوں تک دین کی تعلیمات پہنچا سکیں۔

عمرہ قضاء:

استاد: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان صلح حدیبیہ کے دفعات طے ہو گئے اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کئے بغیر ہی اس سال مدینہ لوٹ جائیں، اور اگلے سال سنہ ۷ ہجری میں آکر عمرہ ادا کریں۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال اس عمرہ کے قضاء کے لئے ان تمام صحابہ کرام کے ساتھ نکلے جنہیں سنہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر بیت اللہ سے روک دیا گیا تھا، آپ کے ساتھ کچھ دوسرے صحابہ بھی ہو لئے اور صحابہ کرام کی مجموعی تعداد ۲۰۰۰ تھی[(۱۹۵)]
۔

شاگرد: سبحان اللہ العظیم! صلح حدیبیہ میں مسلمان صرف ۱۴۰۰ تھے، اور صرف ایک سال کی قلیل مدت میں عمرہ قضاء کے اندر ان کی تعداد بڑھ کر ۲۰۰۰ تک پہنچ گئی، یقینا یہ توفیق الہی کا ہی مظہر ہے۔

[(۱۹۵)] ابن سعد، الطبقات الکبری: (۲/ ۱۲۰) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۴/ ۱۲)

استاد: تم نے اچھا اندازہ لگایا، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ اس درمیان کچھ صحابہ کرام وفات بھی پا گئے تھے اور کچھ غزوہ خیبر میں شہید بھی ہوئے تھے۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا استاد محترم؟

استاد: جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مسلمانوں کا تماشا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقعان پر جا بیٹھے اور انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا: تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں، البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں[١٩٦]۔

شاگرد: استاد گرامی! کیا اس کی کوئی خاص وجہ تھی کہ انہیں تین چکر دوڑ کر لگانے کا حکم دیا گیا؟

استاد: ہاں، اس حکم کا منشا یہ تھا کہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کر لیں اور یہ جان لیں کہ انہیں بخار جیسی کسی چیز نے کمزور نہیں کیا ہے۔ اس لئے طواف کے ابتدائی تین چکروں میں رمل (تیز چلنا) کرنا سنت ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ ہمیں دشمنوں کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور ان سے خائف اور مبہوت نہیں رہنا چاہئے، نیز ہمیں اپنی جسمانی قوت کا خیال رکھنا چاہئے اور خطرات سے دور رہنا چاہئے۔

---

[١٩٦] مسلم: (٢/٩٢٣) حدیث نمبر: (١٢٦٦)

شاگرد: کیا مشرکوں نے عہد وپیمان کو پورا کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ کرام کو اذیت دینے سے باز رہے؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تین روز قیام فرمایا، پھر مشرکوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ کوچ کر جائیں اور آپ کوچ کر گئے[۱۹۷] ۔ چنانچہ اس عمرہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کسی طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

غزوہ فتح مکہ:

استاد: صلح حدیبیہ کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے۔

شاگرد: استاد محترم! عہد وپیمان میں داخل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

استاد: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قبیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا چاہے، آپ کے صف میں کھڑا ہو کر آپ کی مدد ونصرت اور آپ کی حمایت کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، اسی طرح جو قریش کے ساتھ ایسا کرنا چاہے اسے بھی اس کی آزادی ہو گی۔

اس دفعہ کے تحت بنو بکر قریش کے عہد وپیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وپیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے لیکن بنو بکر نے اس

---

[۱۹۷] بخاری: (۳/۱۴۴) حدیث نمبر: (۴۲۵۲)

موقع کو غنیمت جان کر چاہا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکالیں، چنانچہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی لڑائی میں شریک ہوئے۔

اس لڑائی کے ذریعہ بنو بکر اور قریش نے مل کر بنو خزاعہ سے کئے ہوئے صلح کو توڑ دیا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی سرکردگی میں بنو خزاعہ کی ایک جماعت مدینہ آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی کہ کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے بنو بکر کی پشتیبانی کی[۱۹۸] ۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا جواب دیا؟

استاد: نبی صلی اللہ نے ان سے مدد اور دفاع کا وعدہ کیا۔ کیوں کہ اسلام کی اخلاقی تعلیم کا یہ اہم حصہ ہے کہ عہد وپیمان کا احترام کیا جائے، ان عہد وپیمان میں صلح بھی شامل ہے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں یہ بھی داخل ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کے عہد وپیمان میں داخل ہو اس کی مدد کی جائے اور کبھی اسے رسوا نہ ہونے دیا جائے، چوں کہ اسلام وفاداری کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ہمیں ان تمام عہد وپیمان کا احترام کرنا چاہئے جو اسلامی حکومت مسلمانوں یا غیر مسلموں کے ساتھ طے کرتی ہے۔

شاگرد: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوں ریزی کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے آپ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیج کر انہیں تین باتوں کا اختیار دیا، یا تو وہ بنی خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں، یا اپنی براءت کا اظہار کر کے بنی بکر کی مدد اور پشت پناہی سے باز آجائیں، یا نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

---

[۱۹۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۴/ ۷-۳-۳۱) ابن حجر، فتح الباری: (۷/ ۵۲۰-۵۱۹)

شاگرد: واللہ ان اختیارات کے اندر قریش اور بنو خزاعہ ہر ایک کے لئے عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیت دینے کے لئے تیار ہو گئے ہوں گے تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور امن وسلامتی کا ماحول برقرار ہو سکے۔

شاگرد: یہ تمہاری اپنی رائے ہے جو بہت بہتر ہے، لیکن قریش نے اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیت دینے سے انکار کر دیا اور بنو بکر کی مدد سے بھی باز نہ آئے، بلکہ جنگ کو ہی ترجیح دی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کو جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دے دیا اور اللہ تعالی سے دعا کی کہ: (اے اللہ! قریش کے جاسوسوں کی گرفت فرما اور ہماری خبروں کو راز رکھ تاکہ ہم ان پر اچانک حملہ آور ہو سکیں۔)۔[۱۹۹] اس کے بعد لوگوں نے جنگی تیاریاں شروع کر دی۔

شاگرد: "جاسوسوں کی گرفت فرما اور خبروں کو راز رکھ" اس کا مطلب کیا ہے؟

استاد: یعنی: قریش کے کسی آدمی کو اس کی خبر نہ لگنے دے کہ ہم ان کے اوپر حملہ کرنے آرہے ہیں، ہماری خبریں ان تک نہ پہنچنے دے، تاکہ ہم اچانک ان کی لاعلمی میں ان پر حملہ بول دیں۔

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دعا کی کیا اہمیت ہے، کیوں کہ جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تب تک ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہمیں ہر طرح کے معاملات میں اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

---

[۱۹۹] ابن هشام، السيرة النبوية: (۴/ ۴۰-۳۹)

شاگرد: قریش سے قتال کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے کب نکلے ؟

استاد: ۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ چھوڑ کر مکے کا رخ کیا، یعنی ہجرت کے نویں سال کے وسط میں، آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے [۲۰۰] ۔

شاگرد: ماشاء اللہ صلح حدیبیہ کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، کیوں کہ صلح حدیبیہ میں وہ ۱۵۰۰ کے قریب ہی تھے، کیا ایسا نہیں ہے استاد محترم ؟

استاد: آپ نے بالکل درست مقارنہ کیا، صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ سے کچھ ہی زیادہ تھی، تقریبا دو سال کی مدت میں اتنی تعداد بڑھ گئی، کیوں کہ صلح حدیبیہ کا وقوع ذوالقعدہ سنہ ۶ ہجری میں ہوا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وسچائی اور اس دین عظیم کے خوبصورت اصول ومبادی، دلکش اسلوب تعلیم اور بڑی اخلاقی رہنمائیوں سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اسلام کی یہ منجملہ خصوصیات ہم سے بھی اسی بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ ہم اس دین پر کاربند رہیں اور غیروں کے سامنے اس کی تعلیمات کی صحیح نمائندگی کریں تاکہ وہ اسلام کی خوبصورت عبادتوں اور بلند وبالا اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔

شاگرد: استاد گرامی! سوال یہ ہے کہ مسلمان رمضان میں جنگ کے لئے نکلے تھے تو کیا وہ روزہ کی حالت میں تھے یا انہوں نے روزہ توڑ دیا تھا؟

استاد: بہت اچھا سوال کیا ہے آپ نے جس سے پتا چلتا ہے کہ آپ توجہ کے ساتھ درس سنتے ہیں۔

[۲۰۰] ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد: (۳/ ۴۳۴-۴۳۳)

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ کی طرف رواں دواں رہے، آپ اور صحابہ روزے سے تھے لیکن عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی روزہ توڑ دیا[۲۰۱]۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا یہاں تک کہ جب عسفان کے مقام پر پہنچے تو پانی طلب کیا اور دن میں لوگوں کو دکھا کر پانی نوش فرمایا اور روزہ توڑ دیا یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچ گئے)[۲۰۲]۔

اس سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مسافر کے لئے روزہ توڑنا جائز ہے، لیکن بعد میں اس کا قضاء کرنا واجب ہے، نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام رحمت اور نرمی کا دین ہے نہ کہ مشقت اور دشواری کا، اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ: مشقت کی وجہ سے آسانی اور رخصت دی جاتی ہے۔

اہل علم نے دین اسلام کے نصوص سے ہی یہ قاعدہ کلیہ مستنبط کیا ہے۔

شاگرد: یقینا استاد محترم! دین اسلام رحمت و شفقت اور آسانی کا دین ہے، میں دین اسلام سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔

---

[۲۰۱] بخاری: (۱۴۸/۳) حدیث نمبر: (۴۲۷۶)
[۲۰۲] بخاری: (۱۴۸/۳) حدیث نمبر: (۴۲۷۹)

استاد: جب قریش کو یہ خبر ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں ہیں تو انہوں نے خبروں کا پتالگانے کے لئے اپنے آدمی روانہ کر دئے، ابوسفیان کچھ لوگوں کی ہمراہی میں خبروں کا پتالگانے کی غرض سے نکلا اور مکہ کے قریب مر الظہران نامی جگہ پر اسلامی لشکر سے روبرو ہوا۔

شاگرد: جب اس نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو جاکر قریش کو اس کی خبر دی یا اس نے کچھ اور کیا؟۔

استاد: اس نے ایسا کچھ نہیں کیا، اس مقام پر اسلامی لشکر کی نگہبانی کے لئے کچھ صحابہ تعینات تھے جن کا کام تھا لشکر کی حراست و نگہبانی کرنا، اسلامی لشکر کے نگہبانوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی حراست میں لے لیا اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔

شاگرد: یہ تو بہت اچھی تنظیم تھی کہ صحابہ نے اسلامی لشکر کی نگہبانی اور حراست کا انتظام کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے ساتھ کیا کیا؟ کیا آپ نے اسے قتل کر دیا یا اسے یرغمال بنالیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی اور ہی معاملہ کیا؟

استاد: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ذریعہ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد خوں ریزی اور لوگوں کا قتل ہرگز نہ تھا اور نہ ہی آپ کا یہ منشا تھا کہ انہیں اپنا غلام بنا کر ان پر حکمرانی کریں، بلکہ آپ تو صرف انہیں کفر کی ذلت اور جہنم کی آگ سے بچا کر اسلام میں داخل کرنا چاہتے تھے۔

انہی حقائق کو جان کر ابو سفیان[۲۰۳] اور ان کے ساتھی حکیم بن حزام اور بدیل[۲۰۴] نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعزاز بخشتے ہوئے فرمایا:(جو ابو سفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے)[۲۰۵] ۔ اگر آپ کا مقصد لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا خون بہانا ہوتا تو آپ ابو سفیان کو ہر گز یہ اعزاز نہ دیتے۔

شاگرد: بالکل بجا فرمایا آپ نے استاد گرامی قدر! سیرت نبوی کے واقعات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد اور طریقہ کار روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو جاتا ہے۔

استاد: اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ علم مقام حجون میں گاڑ دیا جائے[۲۰۶] ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ کے بالائی علاقہ کداء سے شہر میں داخل ہوئے[۲۰۷] ،جو کہ مکہ مکرمہ کے

---

[۲۰۳] بخاری:(۳/۱۴۹)حدیث نمبر:(۴۲۸۰)

[۲۰۴] ابن حجر،فتح الباری:(۸/۷)

[۲۰۵] ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ:(۴/۴۶)

[۲۰۶] بخاری:(۲/۱۴۹)حدیث نمبر:(۴۲۸۰)

[۲۰۷] بخاری:(۳/۱۵۱)حدیث نمبر:(۴۲۹۰)اور(۴۲۹۱)

جنوب مشرق میں واقع ہے، آپ نے لشکر کو یہ حکم فرمایا کہ اپنے ہاتھ روک رکھیں اور اسی سے قتال کریں جو ان سے قتال کرے[۲۰۸]۔

اس سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب تک کوئی قتال نہیں کرتا تب تک آپ اس سے قتال نہ کرتے، اور قتال ان سے ہی کیا جاتا تھا جو مسلمانوں کے درپہ آزار ہوتے تھے تاکہ مسلمان اپنی جان کا دفاع کر سکیں۔

شاگرد: اسلام کے یہ تمام اخلاق عالیہ قابل اتباع ہیں۔ لیکن کیا کسی نے مسلمانوں پر زیادتی کی اور انہیں جنگ سے دوچار ہونا پڑا؟

استاد: جس طرح میدان جنگ میں لڑائی ہوتی ہے اس طرح کی نوبت پیش نہیں آئی، بلکہ اللہ نے قریش کے دلوں میں اسلامی لشکر کی ہیبت ڈال دی، ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمانڈروں کو جنگی پیش قدمی سے منع فرمادیا تھا، جب آپ نے ہتھیار کی چمک دیکھی تو فرمایا: (کیا میں نے قتال سے منع نہیں کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: خالد بن الولید سے مشرکوں نے لڑائی کی تو انہوں نے بھی ان کا مقابلہ کیا، آپ نے فرمایا: اللہ نے خیر وبھلائی مقدر کی)۔ چنانچہ اس جنگ میں صرف ۲۴ قریشی مارے

---

[۲۰۸] ابن حجر، فتح الباری: (۸/ ۱۰)

گئے(۲۰۹)، ہذیل کے ۴ لوگ قتل ہوئے(۲۱۰) اور مسلمانوں میں سے خالد بن ولید کے دو رفقاء نے بھی جام شہادت نوش کیا(۲۱۱)۔

یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد قتل وغارت اور خوں ریزی ہرگز نہ تھا، بلکہ آپ اس دین کے ذریعہ لوگوں پر رحم وکرم کی بارش کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ دین اسلام کو اپنا کر دخول جنت کے مستحق ٹھہریں۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو قریش کے ساتھ کیا رویہ اپنایا؟

استاد: مکہ والوں نے مکی زندگی میں اور مدینہ جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ بے حد جور وستم کیا تھا اور ان پر ظلم وتعدی کے پہاڑ ڈھائے تھے، ان سب کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام اہل مکہ کو بخشش کا پروانہ دے دیا اور فرمایا: (قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ: لاتثریب علیکم الیوم آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو)(۲۱۲)۔

---

(۲۰۹) ابن سعد، الطبقات الکبری: (۲/۱۳۶)

(۲۱۰) سابق مرجع، ابن حجر، فتح الباری: (۸/۱۱)

(۲۱۱) بخاری: (۳/۱۴۹) حدیث نمبر: (۴۲۸۰)

(۲۱۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۴/۵۵)

شاگرد: فاضل استاد! آپ نے فرمایا: تم سب آزاد ہو۔ اس سے آپ کی مراد کیا تھی؟

استاد: یعنی کہ تم سب آزاد ہو۔ میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا، آپ جس کو چاہتے اسے قتل کر سکتے تھے، جس سے چاہتے مال طلب کر لیتے، لیکن آپ کا اخلاق کریمہ تھا کہ آپ نے سب کو آزادی کا پروانہ دے دیا کیوں کہ آپ رحمت وشفقت اور ہدایت وراستی کے علمبر دار تھے۔

شاگرد: اس کے بعد کیا ہوا؟

استاد: لوگ ابوسفیان کے گھر کی طرف چل پڑے اور کچھ لوگوں نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: (جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کرلے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے)۔ اس کے بعد آپ نے آگے بڑھ کر حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف کیا اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر جو بت تھے آپ انہیں اپنی کمان سے ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے: ﴿جَآءَ ٱلۡحَقُّ وَزَهَقَ ٱلۡبَٰطِلُۚ إِنَّ ٱلۡبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقٗا ٨١﴾ [سورة الإسراء: ٨١].

ترجمہ: حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ صفا پہاڑی پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور جو چاہا اللہ سے دعا کی [٢١٣]۔

[٢١٣] مسلم: (٣/١٤٠٦-١٤٠٥) حدیث نمبر: (١٧٨٠)

اس سے طواف کی اہمیت کا پتا چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے بندہ مسلم کو بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیئے، ساتھ ہی جب انسان کو کوئی نعمت حاصل ہو تو اللہ کا شکر بجالائے اور رب کی حمد وثنا بیان کرے، اور ہر لمحہ اللہ سے محو دعا و التجاء رہے۔ اسی طرح شرک کی سنگینی اور خطرناکی کا بھی اندازہ ہوتا ہے بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام بتوں کو چکنا چور کر دیا جو بیت اللہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے اور فرمایا کہ یہ باطل ہیں اور اللہ تعالی کا دین ہی واضح حق ہے۔

شاگرد: جب اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی فتح عطا فرمادی تو آپ مدینہ واپس آگئے یا آپ نے مکہ ہی میں قیام فرمایا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خیمہ میں قیام فرمایا جو کہ شعب ابی طالب کے قریب نصب کیا گیا تھا، یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش نے مسلمانوں کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محصور کر دیا تھا[(۲۱۴)] ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اندر ۱۹ دن قیام کیا اور اس مدت میں آپ قصر کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے[(۲۱۵)] ۔

شاگرد: استاد محترم! کیا وہ سفر میں تھے کہ انہوں نے قصر کے ساتھ نماز ادا کی؟

استاد: ہاں ہاں، سفر میں تھے، سفر جہاد کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے، تجارت کی غرض سے بھی سفر کیا جاسکتا ہے اور کبھی حج اور عمرہ جیسی عبادت کے لئے بھی رخت سفر باندھا جاسکتا ہے، جب کہ دوسرے مباح

[(۲۱۴)] ابن حجر، فتح الباری: (۸/۱۹)

[(۲۱۵)] بخاری: (۳/۱۵۲) حدیث نمبر: (۴۲۹۸)

مقاصد کے لئے بھی سفر پر نکلا جا سکتا ہے، اور جب بھی انسان سفر میں ہو گا وہ چار رکعت والی نماز میں قصر کرتے ہوئے صرف دو رکعت ہی ادا کرے گا۔

شاگرد: اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پیش قدمی کیا تھی؟

استاد: اس کے بعد لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بیعت لی اور جوق درجوق مختلف قبیلے کے لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے[٢١٦]۔ اسی موقع پر سورہ نصر نازل ہوئی جس میں اللہ نے فرمایا: ﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ ١ وَرَأَيۡتَ ٱلنَّاسَ يَدۡخُلُونَ فِي دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجٗا ٢ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَٱسۡتَغۡفِرۡهُۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابَۢا ٣﴾ [سورة النصر:١-٣].

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق درجوق آتا دیکھ لے تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

غزوہ حنین: استاد: جب قبیلہ ہوازن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ خبر ملی کہ آپ کو مکہ کی فتح حاصل ہو چکی ہے، تو انہوں نے مالک بن عوف نضری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں

---

[٢١٦] سابق مرجع، حدیث نمبر:(٤٣٠٢)

پر یلغار کی جائے، اس مہم جوئی میں ان کے ساتھ قبیلہ ثقیف[۲۱۷] اور غطفان وغیرہ[۲۱۸] بھی شامل تھے۔

مسلمانون کی تعداد دس ہزار تھی[۲۱۹] اور آزاد ہونے والے دو ہزار کی تعداد میں تھے[۲۲۰] جب کہ مشرکین کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی[۲۲۱]۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے خلاف تو کوئی جنگی پیش قدمی نہیں کی تھی پھر بھی انہوں نے کیوں آپ کے اوپر یلغار کرنا چاہا؟

استاد: بہت خوب! جب اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا تو طائف کے قبیلوں کو یہ ڈر ستانے لگا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لئے اب ان کی طرف نہ رخ کرلیں، اس لئے وہ اپنے بچاؤ کے طور پر خود ہی آپ پر یلغار کی مہم جوئی کرنے لگے۔

شاگرد: اس غزوہ کا نام غزوہ حنین کیوں پڑا؟

---

[۲۱۷] ابن هشام، السيرة النبوية: (۴/ ۸۰)

[۲۱۸] بخاری: (۳/ ۱۵۹) حدیث نمبر (۴۳۳۷)

[۲۱۹] سابق مرجع

[۲۲۰] ابن هشام، السيرة النبوية: (۴/ ۸۳)

[۲۲۱] ابن حجر، فتح الباری: (۸/ ۲۹)

استاد: اس کا نام غزوہ حنین اس لئے پڑا کیوں کہ ان قبائل سے مسلمانوں کی جنگ مکہ اور طائف کے درمیان حنین نامی علاقے میں ہی ہوئی تھی۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قبائل کی مہم جوئی کے بارے میں اطلاع کیسے ملی؟

استاد: ان قبائل کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ یہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ نے عبد الرحمن بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ ان کے حالات کا ٹھیک پتا لگا کر واپس آئیں اور آپ کو اطلاع دیں، وہ گئے اور دو دن دشمن کے بیچ رہ کر واپس آئے اور دشمنوں کے حالات سے باخبر کیا[۲۲۲] ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خبروں کی تاکید حاصل کرنا کتنا اہم ہے تاکہ ہم کسی پر بے جا ظلم نہ کر بیٹھیں۔ یہ رویہ دشمنوں کے ساتھ بھی اختیار کرنا چاہئے اور اپنی سماجی زندگی میں تمام مسلمانوں اور دوست واحباب کے ساتھ بھی ہر معاملہ میں اسی طریقہ نبوی پر کاربند رہنا چاہئے تاکہ ہم کوئی ایسا فیصلہ نہ لے لیں جو حقیقت وراستی سے دور ہو۔

شاگرد: یہ بہت اچھی تعلیم ہے جو ہمیں اس واقعہ سے حاصل ہو رہی ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر موصول ہوئی تو آپ نے کیا کیا؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے ساتھ مکہ سے کوچ فرمایا اور دس شوال کو حنین پہنچے[۲۲۳]

۔

[۲۲۲] حاکم، مستدرک: (۳/۴۹-۴۸)

[۲۲۳] فتح الباری، ابن حجر: (۸/۲۷)

راستے میں ایک شخص نے کہا: آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔یعنی آج ہماری تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ یہ قبیلے ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار لگی[۲۲۴] ۔یعنی آپ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اس بات کی وجہ سے انہیں کسی بدانجامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

استاد: ہاں میرے عزیزو!کچھ باتیں بولنے میں تو بہت معمولی لگتی ہیں لیکن ان کا انجام انسان کے لئے بڑا سنگین ہوا کرتا ہے۔

صحابی کی مذکورہ بات سے پتہ چلتا ہے کہ لشکر کی کثرت تعداد سے ان کے اندر ایک طرح کی خود پسندی آگئی تھی،جب کہ خود پسندی ایک خطرناک چیز ہے،اس لئے کہ اس سے کبر وغرور پیدا ہوتا ہے،اور اللہ متکبروں کو یا اپنی قوت ونازش پر اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ اللہ تواضع اور تواضع اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

چونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار لگی تھی اس لئے آپ یہ دعا پڑھنے لگے:" اللہم بک أحول وبک أصول وبک أقاتل"[۲۲۵] یعنی:اے اللہ میں تیری ہی توفیق سے کوشش کرتا ہوں،تیری ہی قوت سے غلبہ پاتا ہوں،اور تیری ہی مدد سے جنگ لڑتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس نبی کا قصہ بیان فرمایا جو اپنے متبعین کی کثرت کی وجہ سے خود پسندی کے شکار ہو گئے تھے،حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:(نبی صلی اللہ

---

[۲۲۴] سابق مرجع

[۲۲۵] احمد،المسند:(۴/۳۳۳)

علیہ وسلم غزوہ حنین کے دنوں میں فجر کی نماز کے بعد کچھ ایسی دعائیں پڑھا کرتے جو ہم آپ کو پڑھتے نہ دیکھتے تھے، ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو ایک ایسا کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں جو آپ پہلے نہیں کیا کرتے تھے، یہ کون سی دعا ہے جو آپ پڑھتے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے ایک نبی گزرے ہیں جو اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے خود پسندی میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ کہنے لگے کہ ہماری قوم کو کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اللہ نے ان پر وحی کی کہ تمہاری امت کو تین میں کسی ایک بات کا اختیار دیا جاتا ہے: یا تو ہم ان پر ان کے علاوہ کسی دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں جو ان کے خون کے پیاسے ہوں گے۔ یا ان پر فقر وفاقہ اور بھوک مسلط کر دیتے ہیں، یا انہیں موت کے شکنجے میں لے لیتے ہیں۔ آپ اپنی قوم سے مشورہ کر لیں کہ وہ ان تینوں میں سے کسے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی قوم نے کہا: دشمن سے مقابلہ کی ہمارے اندر طاقت وقوت ہی نہیں، بھوک اور فاقہ پر ہم صبر نہیں کر سکتے، اس لئے ہمارے اوپر موت طاری کر دی جائے یہی ہمارے لئے بہتر ہے، چنانچہ اللہ نے ان پر موت طاری کر دیا اور تین دن میں ان کے ستر ہزار لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے لشکر کی کثرت دیکھی تو فرمایا: اے اللہ ہم تیری توفیق سے ہی کوشش کرتے، تیری طاقت وقوت سے ہی غلبہ پاتے اور تیری مدد سے ہی جنگ لڑتے ہیں[۲۲۶]۔

شاگرد: استاد محترم! یہ بڑا مفید قصہ ہے۔

استاد: یقیناً اس قصہ میں ہمارے لئے فائدے کی بہت سی باتیں ہیں، اس میں اس سے متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان اپنی قوت وطاقت، مال ودولت، جاہ ومنصب پر غرہ کرے یا اس بات پر فخر کرے کہ وہ ذہنی

[۲۲۶] احمد، المسند: (۴/۳۳۳) شعیب ارنؤوط اور دیگر محققین مسند احمد نے اس حدیث کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے: (۳۱/۲۶۳-۲۶۲)

صلاحیت ولیاقت سے مالا مال ہے اور اس کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اس کے پاس دوستوں کی کثرت ہے، وہ اپنی پڑھائی میں کامیاب ہے یا زندگی کی ریس میں دوسروں سے آگے ہے۔

بلکہ اسے یہ جان لینا چاہئے کہ اس کی طاقت وقوت اور اس کے سارے اسباب اور حیلے خواہ وہ قوت اور کثرت میں جس قدر بھی ہوں، اسے اللہ سے ذرہ برابر بھی بے نیاز نہیں کر سکتے۔ نیز جو انسان صرف اپنے اسباب اور تدابیر پر ہی کلی اعتماد کرتا ہے اور اسے اللہ پر بالکل بھروسہ نہیں ہوتا، بسا اوقات اللہ اسے سزا کے طور پر اپنے مقصد میں ناکام کر دیتا ہے، یا ان اسباب سے ہی اسے محروم کر دیتا اور مال وجاہ، ذہانت وفطانت اور ان جیسی جن نعمتوں سے بھی وہ بہرہ مند تھا، اللہ وہ تمام نعمتیں اس سے چھین لیتا ہے۔

اس قصہ سے ہمیں یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جس کا پورا اعتماد وبھروسہ محض اسباب ووسائل پر ہو، اور اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اسباب ووسائل تو ضرور اختیار کرتا ہے لیکن اس کا توکل اور بھروسہ اللہ کی ذات پر ہوتا ہے، اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جب تک کہ مشیئت الٰہی نہ شامل ہو تب تک اسباب بذات خود نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ادنی سا نقصان، ہم اللہ سے دعاء ومناجات اور توکل واعتماد کے ذریعہ یہ طلب کرتے ہیں کہ ہمارے اسباب کو ہمارے لئے نفع اور خیر کا باعث بنا دے۔

اس قصہ میں ہمارے لئے یہ سبق بھی پوشیدہ ہے کہ اسباب بہ ظاہر کمزور اور کم ہی کیوں نہ ہوں، اللہ اپنی قدرت وطاقت سے جب چاہے ان کے ذریعہ ایسے مقاصد بروئے کار لا سکتا ہے جو بڑے بڑے اسباب ووسائل سے بھی ناممکن ہوں۔ اس کی مثال آپ غزوہ بدر میں پڑھ چکے ہیں کہ مسلمان کی تعداد کس قدر معمولی تھی اس کے باوجود اللہ نے انہیں نصرت وفتح سے سرفراز فرمایا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بہ کثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کاورد کرتے رہنا چاہیئے۔

شاگرد: اس واقعہ سے ہمیں بہت سے دروس حاصل ہوئے، اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے استاد گرامی۔ یہ جنگ کیسے واقع ہوئی؟

استاد: وادی حنین میں دشمن جنگ کے لئے پوری تیاری کر چکے تھے، جس دن جنگ برپا ہوئی اس کی صبح دشمن صف بستہ مقابلہ آرائی کے لئے کھڑے تھے اور موقع پاتے ہی مسلمانوں پر اپنی پوری قوت ولشکر کے ساتھ انہوں نے اچانک حملہ بول دیا۔

میدان جنگ میں پہنچتے وقت کچھ مسلمان جنگ کے لئے اپنے ہتھیار تیار بھی نہیں کئے تھے، جس کی وجہ سے شروعات میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا[٢٢٧]۔

اس میں بھی اللہ تعالی کی بڑی حکمت کار فرما تھی، وہ یہ کہ مسلمان یہ جان سکیں کہ فتح ونصرت لشکر کی کثرت تعداد سے نہیں ملتی بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے، غزوہ حنین کی شروعات میں مسلمانوں کی جو صورت حال تھی اس کے بارے اللہ نے فرمایا: ﴿ لَقَدۡ نَصَرَكُمُ ٱللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٖ وَيَوۡمَ حُنَيۡنٍ إِذۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنكُمۡ شَيۡـٔٗا وَضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ ٱلۡأَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُم مُّدۡبِرِينَ ٢٥ ﴾ [سورة التوبة: ٢٥].

[٢٢٧] احمد، المسند: (٣/٣٧٦-٣٧٧) بخاري: (٢/٣٤٠) حدیث نمبر: (٢٩٣٠)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالی نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔

اس آیت میں اللہ نے مؤمنوں کو اپنے فضل واحسان کی یاد دلائی ہے اور یہ تذکیر کی ہے کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے بہت سے غزوات اور سرائے میں فتح ونصرت سے سرفراز کیا، لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ کثرت میں تھے، بلکہ فتح وکامرانی صرف اللہ کی طرف سے تھی۔

حنین کی لڑائی کے دن انہیں اپنی کثرت پر ناز تھا پھر بھی وہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے، سوائے دوچند کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے رہے اور آپ یہ کلمات دہراتے رہے: (میں نبی ہو ں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ، میں عبد المطلب کی اولاد ہوں ، اے اللہ ! اپنی نصرت سے نواز...)[٢٢٨]، پھر اللہ تبارک وتعالی نے اپنے رسول اور مومنوں کو فتح ونصرت سے سرفراز کیا تاکہ وہ یہ جان لیں کہ فتح وکامرانی محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ لشکر کی کثرت اور قوت سے۔

شاگرد: اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بہادر تھے کہ اخیر تک ڈٹے رہے اور پشت نہ دکھائی، بلکہ آپ نے صحابہ کو ندا لگائی اور انہیں جنگ کے لئے از سر نو آمادہ کیا۔

استاد: بہت خوب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم شجاعت وبہادری اور پیش قدمی میں اپنی مثال آپ تھے، جب جنگ کی رن پڑی تو آپ نے اپنی مشت میں خاک لی اور دشمنوں کے چہرے پر اڑاتے ہوئے فرمایا: (یہ

---

[٢٢٨] مسلم: (١٤٠١/٣) حدیث نمبر: (١٧٧٩-١٧٧٦)

چہرے مسخ ہو جائیں) چنانچہ ان میں سے ہر ایک کی آنکھیں اس ایک مشت خاک سے اٹ گئیں، اور اللہ نے انہیں شکست وریخت سے دوچار کر دیا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں مال غنیمت تقسیم فرمائی[٢٢٩] ۔

غزوہ طائف:

استاد: غزوہ حنین کے بعد اسلامی لشکر طائف کی طرف چل پڑی تھی، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طائف کا رخ فرمایا اور طائف کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، اسلامی لشکر نے قلعہ طائف کے پاس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، اس جگہ تیر اندازی اور پتھر بازی سے بہت سے صحابہ شہید ہوئے، اور مسلمان قلعہ کے اندر داخل نہ سکے۔ اور انہیں اپنا کیمپ طائف میں اس جگہ لے جانا پڑا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرائی[٢٣٠] ۔ طائف کا محاصرہ چالیس دن تک طول پکڑے رہا[٢٣١] ، ایک قول یہ ہے کہ محاصرہ بیس دن تک جاری رہا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی مدت بیس دن سے کم تھی۔

شاگرد: یہ تو بڑی لمبی مدت ہے استاد گرامی!

استاد: مدت تو لمبی ضرور ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس قسم کی جاں فشانی کا متقاضی بھی ہے، تاکہ لوگوں کو اسلام کی ہدایت مل سکے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب طائف کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر خیمہ

---

[٢٢٩] مسلم: (٣:١٤٠٢) حدیث نمبر: (١٧٧٧)

[٢٣٠] ابن هشام، السیرۃ النبویۃ: (٤/١٢٥-١٢٤)

[٢٣١] مسلم (٢/٧٣٧) حدیث نمبر: (١٠٥٩)

زن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی جس سے مسجد کی اہمیت اور خوش حالی ہو کہ تنگ حالی، ہر حال میں نماز کی پابندی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔

اس طویل محاصرے سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ بڑے بڑے مہم انجام دینے کے لئے صبر و تحمل نہایت ضروری ہے، اس لئے ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے یا سستی اور کاہلی کا شکار نہ ہونا چاہئے، بلکہ اپنے تمام اعمال میں صبر و شکیبائی کے ساتھ ساتھ نشاط و پھرتی سے کام لیتے رہنا چاہئے تا کہ ہمیں اللہ اجر و ثواب سے نوازے۔ جب قبیلہ بنی ثقیف کی جانب سے صحابہ کرام پر تیر اندازی کی گئی تو کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ ان پر بد دعا کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما[٢٣٢]۔

شاگرد: ماشاء اللہ تبارک اللہ۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اخلاقی ہی تھی کہ آپ نے ان پر بد دعا کرنے کے بجائے انہیں ہدایت کی دعا دی جب کہ انہوں نے آپ سے جنگ اور لڑائی کی تھی۔

استاد: یہ بہت پیاری بات ہے میرے عزیزو! کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بلند کرداری کا ادراک کیا اور اپنے دامن میں سیرت نبوی کا یہ گوہر نایاب سمیٹ لئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد کبھی بھی یہ نہ تھا کہ آپ صرف دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیں، بلکہ آپ کا اصل ہدف یہ تھا کہ لوگوں کو جہنم کی طرف لے جانے والے کفر سے نجات دلا کر جنت کی رہنمائی کرنے والے دین اسلام اور اللہ کی مغفرت سے فیض یاب کرایا جائے۔

---

[٢٣٢] ترمذی: (٤/ ٦٨٥) حدیث نمبر: (٣٩٤٢)

ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کو حرز جاں بنانا چاہیئے اور اس بات کا حرص مند اور جویا ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو حق اور اسلام کی رہنمائی ملے، اور گنہگار مسلمانوں کو راہ راست پر لایا جائے، ہمیں اپنی ذاتی کامیابی اور نصرت کے لئے فکر مند نہیں رہنا چاہیئے بلکہ خیر وبھلائی اور حق وراستی کی فتح کے خواہاں ہونا چاہیئے۔

شاگرد: اس محاصرہ کے بعد کیا واقعہ ہوا استاد محترم؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے بعد جعرانہ کا قصد کیا جہاں غزوہ حنین کے مال غنیمت رکھے گئے تھے، آپ نے اس امید پر مال غنیمت کی تقسیم کرنے میں قصدا تاخیر فرمائی کہ کہیں قبیلہ ہوازن اسلام قبول کرلے اور آپ ان کا مال انہیں لوٹا دیں، اسی غرض سے آپ نے مال غنیمت کی تقسیم کو مؤخر فرمایا، غنیمت کی تقسیم کے بعد قبیلہ ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے ان کے قید کردہ غلام اور عورتیں انہیں واپس کر دی[۲۴۳] ۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریم اور سخی انسان تھے۔

استاد: یقینا آپ علیہ الصلاۃ والسلام سب سے سخی اور فیاض طبیعت کے حامل تھے، آپ کا مقصد کبھی لوگوں کا مال ہڑپنا نہ تھا، بلکہ آپ کا مطمح نظر فقط یہ ہوتا کہ لوگوں کو کفر اور عذاب سے نجات مل جائے، آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں صرف اسی لئے تاخیر فرمائی کہ ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرلیں اور آپ انہیں تمام غنیمت کے اموال لوٹا دیں، لیکن اللہ کا کرنا ہوا کہ قبیلہ ہوازن کا وفد اس وقت آپ

---

[۲۴۳] بخاری: (۳/۱۵۵) حدیث نمبر: (۴۳۱۸)

کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ مال تقسیم کر چکے تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سخاوت وفیاضی سے نوازتے ہوئے ان کے غلام اور عورتیں انہیں واپس کر دیا۔

اس غزوہ سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب الدعوات تھے کیوں کہ آپ نے قبیلہ ہوازن کے لئے ہدایت کی دعا کی تھی اور ہوا بھی یہ کہ اللہ نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمائی اور ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

غزوہ تبوک:

استاد: رجب سنہ ۹ ہجری کو غزوہ تبوک پیش آیا[۲۳۴] ۔ مدینہ میں پے در پے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ رومی، مسلمانوں کے خلاف شام میں ایک فیصلہ کن معرکہ کی تیاری کر رہے ہیں، اور ان کے ساتھ رومیوں کے حلیف قبائل بھی ہیں۔ اس جنگ میں اسلامی لشکروں کا نام جیش العسرۃ پڑا۔

شاگرد: جیش العسرۃ کا نام کیوں پڑا؟ اور عسرہ کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

استاد: عسرۃ کے معنی تکلیف اور پریشانی کے ہوتے ہیں۔ یہ غزوہ سخت گرمی کے موسم میں ہوا تھا اور اس وقت مسلمانوں کے پاس بہت کم جنگی تیاری اور نہایت بے سروسامانی تھی اس لئے انہیں جیش العسرۃ کا نام دیا گیا۔ اس غزوہ کا نام بھی غزوۃ العسرۃ پڑ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا

[۲۳۴] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ: (۴/۱۵۹)

کہ: (جو شخص جیش عسرہ کو ساز و سامان اور اسلحہ جات سے جنگ کے لئے تیار کرے گا اس کے لئے جنت کی بشارت ہے، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو جنگی اسلحہ جات سے تیار کیا)[٢٣٥] ۔

شاگرد: اللہ تعالی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے رضوان سے سرفراز فرمائے جنہوں نے اسلامی لشکر کو جنگی اسلحہ جات سے مالامال کیا۔

استاد: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جنگی تیاری میں حصہ لے کر جنت میں اپنا مقام بنالیا، ہمیں صحابی جلیل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اس بے پناہ سخاوت وفیاضی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ کی راہ اور بھلائی کی جگہوں پر خرچ کرنے میں بخالت سے گریز کرنا چاہئے، اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعوت، جہاد اور بھلائی کے ہر کام میں مال و دولت کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے، جس سے انسانی زندگی میں کسب معاش کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، تاکہ انسان اپنی کمائی سے بھلائی کے کام میں خرچ کر سکے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے راہ الہی میں سو اونٹ صدقہ کیا اور انہیں جنگی اسلحوں سے میدان جنگ کے لئے تیار کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو راہ خدا میں انفاق کی ترغیب دی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سو اونٹ دئے، پھر آپ نے صدقہ کی رغبت دلائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دفعہ تین سو اونٹ کا صدقہ پیش کیا اور ان اونٹوں کو میدان کارزار کے لئے تیار کیا[٢٣٦] ۔

---

[٢٣٥] بخاری: (٣/١٨)(٢/٢٩٩-٢٩٨) حدیث نمبر: (٢٧٧٨)

[٢٣٦] ترمذی: (٥/٥٨٤) حدیث نمبر: (٣٧٠٠)

اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تنگ حالی و پریشانی کا مطلب ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی بندہ مسلم سے یا مصیبت میں مبتلا قوم، امت، اور سماج سے ناراض ہے، کیوں کہ بسا اوقات تنگی اور پریشان حالی اجر وثواب کے اضافے کا بھی باعث ہوتی ہے، جب کہ کبھی اللہ تعالی اس کے ذریعہ مسلمانوں کو آزماتا بھی ہے، یہ ایک اسلامی لشکر تھا اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ کی تیاری کر رہا تھا اور اسے اس طرح کی چوطرفہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک طرف موسم میں اتنی حدت تھی کہ زمین پر پاؤں نہ ٹکتے تھے، دوسری طرف مال ومنال اور ساز واسلحہ کی اتنی قلت تھی کہ اسلامی لشکر بے سروسامانی کا شکوہ کر رہا تھا۔

شاگرد: کیا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی کسی صحابی نے جنگ کی تیاری میں حصہ لیا؟

استاد: ہاں، ہر صحابی نے حسب استطاعت اپنی حصہ داری نبھائی، یہاں تک کہ کسی کے پاس اگر نصف صاع کی صلاحیت تھی تو اس نے اتنا ہی سہی، ضرور پیش کیا، جس کی مقدار آج کے وزن سے ایک کیلو گرام کے قریب تھی۔ جس صحابی کے پاس کچھ نہ تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرتے کہ انہیں دشمنوں سے جنگ کے لئے لشکر کے ساتھ سواری پر سوار کرلیں، ان میں کچھ ایسے صحابہ بھی تھے جنہیں سواری کی کمی کے سبب آپ جنگ میں شریک نہ کرسکے اور انہیں مجبوراڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ وہ اس لئے رو پڑے کہ ان کے پاس سواری نہ تھی کہ اس پر سوار ہوکر مسلمان بھائیوں کے ساتھ دشمن سے برسرپیکار ہوتے[۲۳۷]۔

---

[۲۳۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: (۴/۱۶۱)

جہاد میں شرکت کے لئے ان کے اندر اس قدر سچا جذبہ امڈ رہا تھا اور ان کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت اس قدر خالص تھی کہ اللہ تبارک وتعالی نے ان کے عذر کو قرآن کریم کا حصہ بنادیا[٢٣٨]، اللہ نے فرمایا: ﴿ لَّيۡسَ عَلَى ٱلضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى ٱلۡمَرۡضَىٰ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُواْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦۚ مَا عَلَى ٱلۡمُحۡسِنِينَ مِن سَبِيلٖۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ تَوَلَّواْ وَّأَعۡيُنُهُمۡ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمۡعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُواْ مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾ ﴾ [سورة التوبة: ٩١-٩٢].

ترجمہ: ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالی بڑی مغفرت ورحمت والا ہے۔

ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری مہیا کردیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج وغم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں۔

شاگرد: کیا ان صحابہ کرام کو بھی اللہ نے اجر وثواب سے نوازا جو دیگر مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت نہ کرسکے۔

---

[٢٣٨] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: (٢/٣٩٦)

استاد: ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مدینہ کے اندر کچھ ایسے بھی لوگ رہ گئے ہیں جو ہر وادی اور ہر راہ میں تمہارے ساجھی اور شریک ہیں، صحابہ نے عرض کیا: وہ تو مدینہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: انہیں عذر نے روک رکھا ہے)[٢٣٩] ۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب انسان کی نیت درست ہو اور شرعی عذر کی بنیاد پر وہ بھلائی کے کام میں شریک نہ ہو پائے تو اللہ تعالی اسے نیک نیتی پر اجر سے نوازتا ہے، ہمیں اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے تاکہ اللہ تعالی کے نزدیک ہمیں اپنی نیت پر اجر و ثواب مل سکے۔

شاگرد: کیا مسلمانوں نے تبوک کی جنگ لڑی؟

استاد: جنگی تیاری کا اعلان ہوتے ہی منافقوں کی اصلیت ظاہر ہوگئی اور وہ لوگوں کو جنگ سے خائف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس چلچلاتی گرمی میں جان جوکھم میں نہ ڈالیں، وہ انہیں یہ سجھاؤ بھی دیتے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی عذر اور بہانہ پیش کردیں۔ لیکن اللہ تعالی تو دلوں کے بھید سے واقف ہے، رب نے ان کی قلعی کھول دی اور ساری حقیقت سامنے آگئی، اللہ نے فرمایا: ﴿ فَرِحَ ٱلۡمُخَلَّفُونَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلَٰفَ رَسُولِ ٱللَّهِ وَكَرِهُوٓاْ أَن يُجَٰهِدُواْ بِأَمۡوَٰلِهِمۡ وَأَنفُسِهِمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَقَالُواْ لَا تَنفِرُواْ فِي ٱلۡحَرِّۗ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرّٗاۚ لَّوۡ كَانُواْ يَفۡقَهُونَ ﴿٨١﴾ فَلۡيَضۡحَكُواْ قَلِيلٗا وَلۡيَبۡكُواْ كَثِيرٗا جَزَآءَۢ بِمَا كَانُواْ يَكۡسِبُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ [سورۃ التوبۃ:٨١-٨٢].

---

[٢٣٩] احمد، المسند: (٣/ ١٨٢)

ترجمہ: پیچھے رہ جانے والے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہیں انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔ پس انہیں چاہئے کہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں، بدلے میں اس کے جو یہ کرتے تھے۔

شاگرد: استاد محترم! مسلمانوں کی صفوں میں اگر منافق موجود ہو تو یہ بڑی پریشان کن بات ہے۔

استاد: یقیناً نفاق اور منافقین مسلمانوں کے لئے بہت بڑی مصیبت اور پریشانی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہ ظاہر تو اسلام کا گن گاتے ہیں لیکن باطن میں کفر چھپائے رہتے ہیں، مسلمانوں کو ان منافقوں کے عادات واطوار اور اخلاق وکردار سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، منافقین مسلمانوں کو باہمی منافرت پر ابھارتے اور اتحاد و یکجہتی سے برگشتہ کرتے ہیں، وہ اطاعت الٰہی میں اس قدر سست اور کاہل ہوتے ہیں کہ صرف رخصت اور آسانیاں ہی ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔

شاگرد: استاد گرامی! کیا مسلمانوں نے منافقوں کے بہکاوے میں آکر ان کی بات مان لی؟

استاد: مسلمانوں پر منافقوں کے بہکاوے کا کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پروانہ وار حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ ہوگئے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام اتنی کثرت میں تھے کہ ان کا شمار کسی دفتر میں بھی ممکن نہ تھا)[۲۴۰] ۔یعنی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کے نام کسی کتاب میں بھی نہ لکھے جاسکتے تھے۔

---

[۲۴۰] بخاری:(۱۸۰-۷۶)حدیث نمبر:(۴۴۱۸)

شاگرد: یہ کتنی اچھی بات تھی کہ کوئی صحابی جنگ سے پیچھے نہ رہنا چاہتے تھے۔

استاد: ہاں، کوئی صحابی جنگ سے پیچھے نہ رہے سوائے ان کے جن کے پاس شرعی عذر موجود تھا، اس جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے[۲۴۱]۔

ان صحابہ کرام کا قصہ بڑا دلچسپ ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے لوٹ کر مدینہ آئے تو پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرام آپ کے پاس آتے اور اپنا اپنا عذر پیش کرتے، آپ بھی ان کا عذر قبول کرتے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرماتے[۲۴۲]۔ سوائے ان تین صحابہ کرام کے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے کھل کر یہ اعتراف کیا کہ ہمارے پاس جنگ میں شرکت نہ کرنے کا کوئی عذر نہ تھا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: (اگر میں آپ سے جھوٹ کہوں اور آپ میری بات سے راضی بھی ہو جائیں تو عنقریب اللہ تعالی حقیقت سے آپ کو آگاہ فرمادے گا اور آپ مجھ سے نالاں ہو جائیں گے۔ بخدا میرے پاس جنگ میں شرکت نہ کرنے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ تھا....)[۲۴۳]۔

شاگرد: واللہ یہ ایک عجیب وغریب اور بہت بڑی بات ہے استاد گرامی!

---

[۲۴۱] مسلم: (۴/۲۱۲۸-۲۱۲۰) حدیث نمبر: (۲۷۶۹)
[۲۴۲] سابق مرجع
[۲۴۳] سابق مرجع

استاد: ہاں، انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالی ان کی ہر ایک حرکت سے باخبر ہے، اس لئے اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھوٹ بھی بولیں گے تو انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ملنے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور ان کی بابت اللہ کے فیصلے کا انتظار کرتے رہے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قطع تعلق کر لیا، اور لوگوں کو بھی یہ حکم فرمایا کہ ان سے بات چیت نہ کریں اور کوئی تعلق داری نہ رکھیں یہاں تک کہ زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ چالیس دنوں کے بعد اللہ نے ان کا توبہ قبول فرمایا اور ان کی صدق نیتی کے سبب انہیں مغفرت کا پروانہ عطا فرمایا اور قرآن کریم کی یہ آیتیں انہی کے سلسلے میں نازل فرمائی: ﴿وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُواْ حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡأَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ أَنفُسُهُمۡ وَظَنُّوٓاْ أَن لَّا مَلۡجَأَ مِنَ ٱللَّهِ إِلَّآ إِلَيۡهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوبُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ١١٨﴾ [سورة التوبة:١١٨].

ترجمہ: اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔ بے شک اللہ تعالی بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔

شاگرد: غزوہ کے بارے میں آپ نے نہیں بتایا کہ تبوک میں غزوہ پیش آیا یا نہیں؟

استاد: اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو جنگ سے محفوظ رکھا اور دشمن سے ان کی مڈ بھیڑ نہ ہو سکی، الحمد للہ سب کے سب صحیح سالم لوٹ آئے اور اہل مدینہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا خیر مقدم اور استقبال کیا[۲۴۴] ۔

[۲۴۴] بخاری:(۱۸۱/۳)حدیث نمبر:(۴۴۲۷)

وفود کا سال:

استاد: سنہ ۹ ہجری کو عام الوفود کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ سے نوازا، قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپ غزوہ تبوک سے فارغ ہو گئے تو مختلف جگہوں سے عرب کے لوگ وفد کی شکل میں آکر آپ سے بیعت لینے لگے۔

شاگرد: استاد محترم! ان وفود کی تعداد بہت زیادہ تھی؟

استاد: ہاں یہ وفود بڑی تعداد میں آکر آکر اسلام قبول کرنے لگے، ان وفود کی تعداد ۶۰ سے زائد ہے [۲۴۵] ۔اس سے پتا چلتا ہے کہ صبر و تحمل کو لازم پکڑنا، محنت و جاں فشانی سے کام لینا اور جلد بازی سے گریز کرنا کس قدر اہم اور ضروری ہے ، ہمارے نبی صل اللہ علیہ وسلم مکہ کی زندگی میں اپنی قوم کی ساری ستم رانیاں برداشت کرتے رہے ، تنگ آکر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ، آپ کی قوم کے علاوہ دوسرے قبائل بھی آپ سے بر سرپیکار رہے ، آپ نے ہر محاذ پر صبر کیا اور ثابت قدم رہے ، لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، اس طویل سفر آزمائش کے بعد آپ کو کامیابی اور فتح نصیب ہوئی اور لوگوں نے جوق در جوق آپ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا اور آپ سے بیعت لی۔

ہمیں اس پوری سیرت طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر چلتے ہوئے ہر محاذ پر اور بھلائی کے ہر کام میں صبر و تحمل کو لازم پکڑنا چاہیئے۔

---

[۲۴۵] ابن سعد 'الطبقات الکبری: (۱/۳۵۹-۲۹۱)

حجۃ الوداع:

استاد: سنہ ۹ ہجری کے اخیر میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾﴾ [سورة آل عمران:٩٧].

ترجمہ: اللہ تعالی نے ان لوگوں پر جو اس گھر کی راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے، اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالی اس سے بلکہ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا عزم کر لیا اور ذرا بھی تاخیر نہ کی [٢٤٦]۔ چنانچہ آپ نے سنہ ۱۰ ہجری میں لوگوں کے اندر حج کا اعلان کر دیا، اعلان ہوتے ہی بہت سے لوگ مدینہ آپہنچے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت واقتداء میں حج کا فریضہ انجام دے سکیں [٢٤٧]۔

شاگرد: گویا لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اقتداء کے بہت حرص مند تھے۔

استاد: یقیناً صحابہ کرام کے اندر ہر ایک چھوٹے بڑے عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر وہ چیز ہم تک پہنچادی جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنایا یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا، اس کا تقاضہ ہے کہ ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور آپ کی سنت میں کسی طرح کی کمی بیشی کی جرأت نہ کریں اور نہ ہی کوئی ایسی بدعت ایجاد کرنے کی غلطی کریں جو نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے۔

---

[٢٤٦] ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد: (٣/٥٩٥)
[٢٤٧] مسلم: (٢/٨٨٧-٨٨٦) حدیث نمبر: (١٢١٨)

شاگرد: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا حج تھا؟

استاد: چونکہ سنہ ۹ ہجری سے قبل حج فرض ہی نہیں کیا گیا تھا اس لئے آپ نے اس سے پہلے کبھی حج نہیں کیا، یہ حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری حج تھا[٢٤٨]۔ چونکہ اس حج کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ دوسرا حج نہ کرسکے، اسی وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑا۔

شاگرد: اس حج کے قابل ذکر واقعات کیا ہیں استاد محترم؟

استاد: عرفہ کے میدان میں اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [سورة المائدة:٣].

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے لئے دین اسلام کو مکمل کردیا ہے، اس کے اندر کسی طرح کی زیادتی اور کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ ہر اعتبار سے کامل اور اس کے تمام احکام مکمل ہیں، ہمیں صرف اسے جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس دین کو اللہ نے نعمت سے تعبیر کیا ہے اور واقعی اسلام ایک بہت بڑی نعمت ہے، ہمیں اس نعمت پر اللہ کا شکر بجالانا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں اس دین کی ہدایت کی، ہمیں اس دین کے احکام و اوامر پر عمل پیرا ہو کر اور لوگوں کو اس کی دعوت دے کر اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہئے۔ للہ الحمد والشکر

---

[٢٤٨] بخاری: (٣، /١٧٤) حدیث نمبر: (٤٤٠٤)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کے موقع پر ایک خطبہ بھی دیا جس کے اندر آپ نے ارشاد فرمایا: (تمہارے خون اور تمہارے مال وجائداد تمہارے اوپر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر حرام ہے)[۲۴۹] ۔

حضرت زبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: (میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم النحر کو دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر جمرات کو کنکڑی مار رہے ہیں اور فرمارہے ہیں: مجھ سے یہ مناسکِ حج سیکھ لو، مجھے نہیں معلوم کے اس حج کے بعد دوبارہ میں حج کرپاؤں گا یا نہیں)[۲۵۰] ۔اس کے اندر اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب آچکی ہے، ساتھ ہی یہ بھی پتا چلتاہے کہ آپ کو اس بات کا شدید حرص تھا کہ لوگ آپ سے شریعت کی تعلیمات اخذ کریں اور تمام عبادتیں آپ کے طریقے پر انجام دیں۔

اس لئے ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم دینی تعلیم حاصل کرنے میں محنت ولگن سے کام لیں اور آپ صلی اللہ علیہ کے صحیح پیروکار بن کر زندگی گزاریں۔

[۲۴۹] مسلم:(۲/ ۸۹۲-۸۸۶)حدیث نمبر:(۱۲۱۸)

[۲۵۰] مسلم:(۳/ ۹۴۳)حدیث نمبر:(۱۲۹۷)

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

رومیوں سے مقابلہ آرائی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ صفر میں ایک بڑے لشکر کی تیاری فرمائی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرمایا، لشکر اسامہ کی تیاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو دن قبل ہی ہوئی تھی، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر میں شریک ہونے والے مہاجرین وانصار کے کبار صحابہ کرام بھی تھے، جن میں حضرت ابو بکر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، یہ آخری سریہ تھا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تیار کیا تھا[۲۵۱]۔

شاگرد: (حدیث میں) ندب کا لفظ آیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے استاد محترم؟

استاد: اس کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو رومیوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔

اس سریہ میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی سلامتی اور دفاع کی فکر کس قدر دامن گیر رہتی تھی کہ آپ مرض الموت میں تھے اس کے باوجود بھی وفات سے صرف دو روز قبل سریہ اور لشکر کو دشمن سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کر رہے تھے، اس سے ہمیں یہ حوصلہ ملتا ہے کہ ہم آخری سانس تک محنت اور لگن سے اپنے فرائض انجام دیتے رہیں تاکہ ہماری محنتوں کے ثمرات سے امت مسلمہ مستفید ہو اور ہم خود بھی رضائے الٰہی سے سرفراز ہو سکیں۔

شاگرد: استاد گرامی قدر! یہ نہایت ہی اہم بات ہے۔

---

[۲۵۱] ابن حجر، فتح الباری: (۸/ ۱۵۲)

استاد: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس وقت کم سن تھے[۲۵۲]۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ قائد سن رسید اور عمر دراز ہی ہو، بلکہ قیادت کے لئے لائق اور قابل ہونا ضروری ہے، کیوں کہ سرداری اور راہبری ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کا تعلق قابلیت اور صلاحیت سے ہے جو ہر انسان کے اندر مختلف درجے کی ہوتی ہے، نیز اگر کوئی کم سن انسان کسی جماعت کی قیادت کر رہا ہو تو اس جماعت کے بڑے اور عمر دراز لوگوں کی شان و عظمت میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔

اس کا مطلب ہے کہ ہم میں سے کسی کم سن انسان کے پاس اگر کسی میدان اور فن میں دوسرے لوگوں سے زیادہ مہارت ہو تو ہمیں اس فن میں اس شخص کی قیادت وراہبری قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے ہی راہبر وراہنما منتخب کرنا چاہئے، اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں اس کا پورا ساتھ دینا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بسا اوقات کسی میدان یا فن میں کم سن انسان کے اندر بھی ایسی مہارت و قابلیت پائی جاسکتی ہے جو بڑے لوگوں کے اندر نہ پائی جاتی ہو، جس کا ہمیں اعتبار اور خیال کرنا چاہئے تاکہ اہداف و مقاصد کی بجاآوری میں ہمیں کامیابی مل سکے۔

---

[۲۵۲] ابن سعد، الطبقات الکبری: (۲/ ۱۹۰)

شاگرد: استاد گرامی! اس سریہ کی جنگی تیاری کی روشنی میں آپ نے ہمیں اتنے سارے فوائد حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا، اس پر اللہ تعالی آپ کو بہتر اجر سے نوازے، لیکن سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیش آجانے کے بعد اس لشکر کا انجام کیا ہوا؟

استاد: شام کی طرف کوچ کرنے کے ارادے سے اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا اور مقام جرف میں خیمہ زن ہو گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیش آجانے کے سبب آگے نہ بڑھ سکا اور مدینہ واپس ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت أبو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور لشکر کو تیار کر کے حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنفیذ کا امر صادر کیا، چنانچہ سریہ اسامہ حضرت أبو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پایا۔ اس لشکر میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی[٢٥٣]۔

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نافذ کرنے کے کس قدر حریص تھے، ہمارے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر پر عمل کرنے اور آپ کی منہیات سے باز رہنے کے حرص مند رہیں۔

اس سے ایک فائدہ یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ قائد اور حاکم کی وفات کے بعد بھی خیر و بھلائی پر مبنی ان کے احکام واوامر نافذ کئے جانے چاہئے۔

---

[٢٥٣] ابن حجر، فتح الباری: (٨/ ١٥٢)

شاگرد: یہ بہت بڑے بڑے فائدے ہیں استاد محترم!، ایک سوال یہ ہے کہ کیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام صحابہ اس سریہ میں شریک ہوئے؟

استاد: آپ جان چکے ہیں کہ اس لشکر میں حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، حضرت ابو بکر صدیق اب خلافت کے عہدہ پر فائز تھے اس لئے مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری ترک کرکے سریہ میں نہیں نکل سکتے تھے، چوں کہ امور خلافت میں انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ضرورت در پیش ہوتی تھی اس لئے لشکر کے سپہ سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق اجازت طلب کی اور حضرت اسامہ نے یہ اجازت دے دی کہ حضرت ابو بکر کے تعاون کے لئے حضرت عمر سریہ سے پیچھے رہ سکتے ہیں۔

شاگرد: یہ کتنی اچھی اور عمدہ بات ہے کہ حاکم وقت سپہ سالار سے اجازت طلب کر رہے ہیں؟

استاد: اسلام ایک منظم دین ہے اور ہر ایک کو اس کا احترام دینے کی تعلیم دیتا ہے، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی اور خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ تمام مسلمانان عالم کے حاکم اور پورے عالم اسلامی کے سردار تھے، اس کے باوجود انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے یہ اجازت طلب کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ہی رہنے دیا جائے۔

اس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگرچہ ہم بلند مناصب اور بڑے عہدوں پر فائز ہوں، ہمیں ہر ایک کے ساتھ عزت واحترام کے ساتھ پیش آنا چاہئے، ساتھ ہی اس سے یہ بھی سیکھ ملتی ہے کہ ہمیں ہر حال میں اصول اور نظام پر کاربند رہنا چاہئے اور ہمارے اندر اگر نظام کی خلاف ورزی کی قدرت بھی ہو، تب بھی ہمیں نظام کا پابند ہی رہنا چاہئے۔

شاگرد: اس سریہ کا آخری انجام کیا ہوا؟

استاد: یہ سریہ ملک شام کی طرف روانہ ہوا اور بیش بہا مال غنیمت کے ساتھ فاتحانہ مدینہ واپس آیا، اس جنگ میں کوئی ایک مسلمان بھی زخمی نہ ہوا[٢٥٤] ۔

[٢٥٤] ابن سعد' الطبقات الکبری: (١٩١/٢)

چھٹا باب:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا مرض اور وفات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض اور آپ کی وفات:

استاد: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اللہ نے انہیں یہ اشارہ دے دیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب آچکی ہے، کیوں کہ آپ کی موت کا سانحہ کوئی عام سانحہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: (جب تم میں سے کسی کو مصیبت لاحق ہو تو وہ اس مصیبت کو یاد کرلے جو اسے -میری وفات سے- لاحق ہوئی، کیوں کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے)[۲۵۵] ۔

شاگرد: یہ بات تو صحیح ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات ان صحابہ کرام کے لئے کسی مصیبت سے کم نہ تھی جو آپ کی صحبت میں رہتے اور آپ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے ، بلکہ یہ تو ہمارے لئے بھی ایک مصیبت کی طرح ہے گویا کہ آج آپ کی وفات ہوئی ہو، سوال یہ ہے استاد گرامی! کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو کیسے اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات قریب آچکی ہے؟

استاد: صحابہ کرام کو اس کے بہت سے اشارے مل چکے تھے کہ آپ کی وفات قریب آچکی ہے، ان میں سے ایک اشارہ سورہ نصر کے نزول کی صورت میں تھا، حدیث میں آیا ہے کہ: (..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے دریافت کیا: (إذا جاء نصر الله والفتح) تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے جس سے آپ کو مطلع کیا گیا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: مجھے اس سلسلے میں اتنا ہی علم ہے جتنا کہ آپ کو ہے)[۲۵۶] ۔

---

[۲۵۵] ابن سعد 'الطبقات الکبری: (۲/ ۲۷۵) حدیث میں مذکور الفاظ انہی کے روایت کردہ ہیں 'اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے: (۱/ ۲۳۶) حدیث نمبر: ۴۱

[۲۵۶] بخاری: (۳/ ۱۸۱) حدیث نمبر: (۴۴۳۰)

ایک اشارہ یہ بھی تھا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا کہ:(یہ حج اکبر کا دن ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا یہ دہراتے رہے کہ: اے اللہ تو گواہ رہ۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو الوداع کہا، اسی وجہ سے لوگوں نے کہا: یہ حجۃ الوداع ہے)[٢٥٧]۔

ایک اشارہ اس واقعہ میں بھی تھا کہ جب آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انہیں الوداع کہتے ہوئے فرمایا:(اے معاذ! ہو سکتا ہے کہ اس سال کے بعد ہماری آپس میں ملاقات نہ ہو سکے۔ شاید تم آؤ تو تمہیں میری مسجد اور میرا قبر ہی ملے۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے شعور سے حضرت معاذ رو پڑے)[٢٥٨]۔

یہ صحابہ کرام اور آل بیت پر اللہ تعالی کی مہربانی ہی تھی کہ اللہ نے انہیں آپ کی وفات کے تعلق سے مختلف اشارے دے دئے تاکہ فراق کا غم اچانک بجلی بن کر نہ گرے کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکیں۔

شاگرد: بخدا یہ بڑے پر اثر اشارے ہیں استاد گرامی!

استاد: یقیناً، ان اشاروں میں عجیب سی تاثیر ہے، بھلا جنہوں نے آپ کی صحبت میں شب وروز گزارے ہوں، آپ کے ساتھ جن کا اٹھنا بیٹھنا رہا ہو، جنہوں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، آپ سے باتیں کی ہوں، آپ کے ساتھ ان کا کھان پان رہا ہو، ان خوش قسمت صحابہ کرام کے لئے آپ کا فراق کوئی

---

[٢٥٧] بخاری:(١/٥٢٩)حدیث نمبر:(١٧٤٢)

[٢٥٨] احمد، المسند:(٣٦/٣٧٦)حدیث نمبر:(٢٢٠٥٢)

آسان سی بات قطعانہ تھی، اسی لئے اللہ نے ان اشاروں کے ذریعہ ان کا غم ہلکا کیا اور پھر انہیں صبر سے نوازا تا کہ ان کا حزن وملال ختم ہو سکے۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے ایام کیسے گزرے؟

استاد: ماہ صفر کے آخری دنوں یا ربیع الاول کے شروعاتی ایام کی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہونے لگے[٢٥٩] ، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: (جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھاری ہو گیا اور آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے میرے حجرے میں رہنے کی اجازت طلب کی، ازواج مطہرات نے اجازت دے دی، اس کے بعد آپ دو آدمیوں کے سہارے نکلے جب کہ آپ کے پاؤں زمین سے گھسٹ رہے تھے)[٢٦٠] ۔

شاگرد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت کیوں لی؟

استاد: یہ ایک اچھا سوال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے شدید حرص مند تھے کہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھیں، اسی لئے ہر ایک بیوی کے لئے آپ نے خاص دن متعین کر رکھے تھے، جب آپ کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ ان بیویوں کے الگ الگ حجروں میں جانے کے قابل نہ رہے تو آپ نے ان کے حقوق کے تحفظ کی خاطر اور ان کی دل جوئی کے لئے ان سے اجازت طلب کی کہ آپ بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گزاریں، اور تمام امہات المؤمنین نے بالاتفاق آپ کو اس کی اجازت دے دی۔ رضی اللہ عنہن۔

---

[٢٥٩] ابن هشام، السيرة النبوية: (٤/ ٢٩١)

[٢٦٠] بخاری: (٣/ ١٨٤-١٨٣) حدیث نمبر: (٤٤٤٢)

شاگرد: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خاص بیماری لاحق ہوئی تھی؟

استاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زہر کی وجہ سے تکلیف ہو رہی تھی جو غزوہ خیبر کے موقع پر آپ کے کھانے میں ڈال دیا گیا تھا، بیماری کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کرتے تھے: (مجھے اب بھی خیبر کے زہریلے کھانے کی تکلیف محسوس ہو رہی ہے)[٢٦١]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف جب بہت بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (سات مشکیزے پانی کے بھر کر لاؤ اور مجھ پر ڈال دو، ممکن ہے اس طرح میں لوگوں کو کچھ نصیحت کرنے کے قابل ہو جاؤں... آپ کے جسم پر پانی ڈالا گیا اور پھر آپ لوگوں کے مجمع میں گئے اور نماز پڑھائی اور لوگوں کو خطاب کیا)[٢٦٢]۔

بیماری کی شدت کی وجہ سے اپنا قمیص چہرے پر ڈال دیتے اور فرماتے: (اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا)[٢٦٣]۔

شاگرد: استاد محترم! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا درست نہیں ہے؟

استاد: آپ کا یہ فہم بہت درست ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے داعی اور علمبردار تھے، آپ نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور یہ کہ

---

[٢٦١] بخاری: (٣/١٨١) حدیث نمبر: (٤٤٢٨)
[٢٦٢] بخاری: (٣/١٨٤-١٨٣) حدیث نمبر: (٤٤٤٢)
[٢٦٣] بخاری: (٣/١٨٣) حدیث نمبر: (٤٤٤١)

مسجدیں صرف اللہ کی عبادت کے لئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾﴾ [سورة الجن:١٨].

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شدید حریص تھے اس لئے آپ نے سخت بیماری کی حالت میں بھی ہمیں اس سے متنبہ فرمایا جس سے اس کی حرمت اور متاکد ہو جاتی ہے۔

شاگرد: یقینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو شرک سے بچانے کے لئے بہت فکر مند تھے، نیز آپ کو یہ بھی فکر لاحق ہوتی تھی کہ اپنی امت کو کیسے فائدہ پہنچائیں، اس لئے آخری دم تک انہیں نصح و خیر خواہی کرتے رہے۔

استاد: یقینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے تعلق سے نہایت ہی فکر مند تھے، جیسا کہ اللہ نے آپ کے بارے میں بیان فرمایا: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ [سورة التوبة:١٢٨].

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں کہ جس میں آپ کا انتقال ہو گیا، فرمارہے تھے: نماز کا، اور لونڈیوں اور غلاموں کا خیال رکھنا "[٢٦٤] آپ برابر یہی جملہ کہتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی زبان مبارک رکنے لگی ۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کو اس کی کتنی فکر ہوتی تھی، نیز اس سے تحفظ حقوق نسواں کی اہمیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنے ہاتھ پانی کے اندر داخل کرتے اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے « لا إله إلا الله »[٢٦٥] ۔عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:(آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، وفات سے کچھ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پشت سے ان کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپ نے کان لگا کر سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر رہے ہیں « اللهم اغفرلي وارحمني، وألحقني بالرفيق » "اے اللہ !میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر اور میرے رفیقوں سے مجھے ملا"[٢٦٦] ۔ آپ اپنے مرض الموت میں آیت « مع الذين أنعم الله عليهم » کی تلاوت فرمارہے تھے (یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے)[٢٦٧] ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت صحت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کی روح قبض کرنے سے پہلے انہیں جنت میں ان کی قیام گاہ دکھائی گئی، پھر اختیار دیا گیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ

---

[٢٦٤] ابن ماجه:(١/٥١٩)حدیث نمبر:(١٦٢٥)

[٢٦٥] بخاری:(٣/١٨٥)حدیث نمبر:(٤٤٤٩)

[٢٦٦] بخاری:(٣/١٨٣)حدیث نمبر:(٤٤٤٠)

[٢٦٧] بخاری:(٣/١٨٢)حدیث نمبر:(٤٤٣٥)

کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ اس وقت آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئے تو آپ نے اپنی نظر گھر کی چھت کی طرف اٹھالی اور فرمایا « اللهم الرفيق الأعلى » "اے اللہ! مجھے اپنی بارگاہ میں انبیاء اور صدیقین سے ملادے۔" میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہمیں پسند نہیں کرسکتے اور مجھے وہ حدیث یاد آگئی جو آپ حالت صحت میں ہم سے بیان کیا کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آخری کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہی تھا کہ « اللهم الرفيق الأعلى » [٢٦٨] ۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرواز کر گئی۔

شاگرد: یہ کوئی آسان مرحلہ نہ رہا ہو گا۔

استاد: ہاں ہاں یہ نہایت ہی دشوار مرحلہ اور بے حد سنگین سانحہ تھا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر ملی تو وہ حیران وپریشان ہوگئے اور اسی حال میں مسجد نبی میں جمع ہوئے،

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے درمیان تشریف لائے اور اللہ تعالی کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا: جان لو کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو محمد وفات پاچکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آتی۔

انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ٣٠ ﴾ [سورة الزمر: ٣٠].

ترجمہ: یقینا خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔

---

[٢٦٨] بخاری: (٣/ ١٨٢) حدیث نمبر: (٤٤٣٥)

اور اللہ کا یہ فرمان بھی انہیں پڑھ کر سنایا: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ ﴾ [سورة آل عمران: ١٤٤].

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہر گز اللہ تعالی کا کچھ نہ بگاڑے گا اور عنقریب اللہ تعالی شکر گزاروں کو نیک بدلا دے گا۔

یہ سننا تھا کہ صحابہ کرام رونے لگے [٢٦٩] ۔

آپ تقریبا ۱۳ دنوں تک بیمار رہے، اور آپ کی وفات دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی، منگل کے روز آپ کو اپنے کپڑے ہی میں غسل دیا گیا، آپ کو جن صحابہ نے غسل دیا وہ یہ ہیں: عباس، علی، فضل، اسامہ بن زید، اوس بن خولی اور شقران رضی اللہ عنہم [٢٧٠] ۔ آپ کو تین یمنی سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا، پھر آپ کو اپنے بستر پر رکھ دیا گیا، لوگ جماعت در جماعت آتے اور بغیر امام کے انفرادی طور پر آپ کی نماز جنازہ ادا کر کے نکل جاتے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جس جگہ آپ کی وفات ہوئی

---

[٢٦٩] بخاری: (۱۱/۳) حدیث نمبر: (٣٦٦٨)

[٢٧٠] ابن سعد، الطبقات الکبری: (۲۹۲/۲)

تھی، اسی جگہ پر آپ کو مدفون کیا گیا[٢٧١]۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ٦٣ سال تھی[٢٧٢]۔ جس وقت آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ایک صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی[٢٧٣]۔ آپ نے ورثے میں دینار و درہم نہ چھوڑے، عمرو بن الحارث کہتے ہیں کہ: (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکے میں دینار و درہم نہیں چھوڑا، نہ ہی آپ کے ترکہ میں کوئی غلام اور کنیز تھی، سوائے آپ کے سفید خچر کے جس کی آپ سواری کیا کرتے تھے، آپ کے ہتھیار اور اس زمین کے جسے آپ نے راہ الٰہی میں صدقہ کر دیا تھا)[٢٧٤]۔

اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ ہمیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائے، اپنی کتاب اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی کرے، ہمیں جنۃ الفردوس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے نوازے، ہمیں ہدایت یافتہ راہنما اور اپنی کتاب مبین اور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا داعی اور علمبر دار بنائے۔

---

[٢٧١] ابن سعد 'الطبقات الکبری: (٢/ ٢٩٢)

[٢٧٢] بخاری: (٣/ ١٨٧) حدیث نمبر: (٤٤٦٦)

[٢٧٣] بخاری: (٣/ ١٨٧) حدیث نمبر: (٤٤٦٧)

[٢٧٤] بخاری: (٣/ ١٨٦) حدیث نمبر: (٤٤٦١)

خاتمہ:

تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہے جس کے فضل وکرم اور توفیق سے یہ کتاب مکمل ہو سکی، اور درود وسلام ہو ہمارے نبی اور اسوہ محمد بن عبد اللہ پر۔

یقینا یہ اللہ تعالی کا فضل ہی ہے کہ اس نے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے نبی ورسول بنا کر بھیجا، جنہوں نے بہترین اوصاف اور کامل ترین اخلاق کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا، آپ ارادہ خداوندی کے بموجب دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ کے ذریعہ اللہ تعالی نے دین کو مکمل کیا اور نعمت اسلام کی تکمیل فرمائی، ہمیں آپ نے سیدھے اور سفید راستے پر چھوڑا، ہمیں عبادات ،اخلاقیات اور معاملات کی بابت خوش حالی وتنگ حالی ہر حال میں اپنائے جانے والے طور طریقہ اور منہج واسلوب کی تعلیم دی، جس کے نتیجے میں آپ کی عطر بیز سیرت بندہ مسلم کے لئے توشہ حیات اور دنیا وآخرت کی بھلائی سے سرفراز ہونے کے لئے نسخہ کامیابی قرار پائی۔

اللہ تعالی کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے ہمارے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ پوری گرم جوشی اور جذبہ احترام کے ساتھ نسل در نسل مسلمان انہیں آپس میں منتقل کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم آج اس طرح ان تعلیمات کو پڑھتے اور سیکھتے ہیں گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہوں۔ ہر قسم کی تعریف وتشکر صرف اللہ ہی کے لئے زیبا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اس طرح محفوظ فرمایا کہ ہم تک اپنی صحیح شکل وصورت میں پہنچ سکی۔

اب ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم آپ کی سیرت طیبہ کو جانیں اور اس پر عمل کریں، اپنی اولاد، اہل خانہ اور تمام مسلمانوں کو اس کی تعلیم دیں اور ہر طبقہ کے لوگوں میں اسے عام کرنے کی جد وجہد کریں

تاکہ انہیں بھی ہمارے نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے واقفیت ہو سکے اور وہ آپ کے اعمال اور اوصاف واخلاق سے متاثر ہو کر دین اسلام قبول کر سکیں، جسے اللہ نے لوگوں کو برائی اور فتنہ انگیزی سے نکال کر بھلائی اور کامرانی کی طرف اور جہنم سے نکال کر جنت کی طرف لانے کے لئے نازل کیا ہے، اس جنت کی طرف کہ جس کی جانب سوائے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج وطریقہ کے کوئی راستہ نہیں جاتا۔

اے اللہ ! ہمیں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اقتداء کی توفیق ارزانی کر، ہمیں آپ کی سیرت اور سنت کا پیروکار بنا، ہمیں جنت الفردوس میں آپ کی رفاقت سے نواز، ہمیں ہدایت یافتہ رہنما بنادے ، اپنے دین حنیف کی دعوت اور اس کی نشر واشاعت کے لئے ہمیں منتخب کرلے اور ہر ممکن طریقے سے خیر و بھلائی کے تمام کاموں میں ہمیں دین کی خدمت کرنے کے قابل بنادے، نیک اعمال پر ہمارا خاتمہ فرما، ہمیں جنۃ الفردوس کے بلند مقامات پر ان انبیاء وصدیقین اور شہداء کے ساتھ جمع فرما جن پر تونے اپنے انعامات کئے، اور اے اللہ !تو اس کتاب کو بابرکت، نفع بخش اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔

والحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحابته أجمعين۔

مراجع ومصادر:

- القرآن الکریم
- ابن الأثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن ابی الکرم: اسد الغابۃ (د.م): الشعب، ۱۹۷۰ء
- ابن الاثیر، مجد الدین المبارک بن محمد الجزری: النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر، تحقیق: طاہر احمد الزواوی اور محمود احمد الطناجی، بیروت: دار الفکر
- الأصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد: المفردات فی غریب القرآن، تحقیق محمد سید کیلانی، بیروت: دار المعرفۃ (د.ت)
- الأصفہانی، ابوموسی محمد ابی بکر بن ابی عیسی المدینی، المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، تحقیق عبد الکریم العزباوی، ط ۱، مکہ مکرمہ، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی بجامعۃ ام القری، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
- اکرم ضیاء العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، مدینہ منورہ، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء
- الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح سنن الترمذی، ط ۱، الریاض: کمتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء
- الالبانی، محمد ناصر الدین، صحیح سنن ابی داوٗد، ط ۱، الریاض: مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء
- الالبانی، محمد ناصر الدین، صحیح سنن النسائی، ط ۱، الریاض: مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء

- الالبانی، محمد ناصر الدین، صحیح سنن ابن ماجہ، ط۳، الریاض: مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء
- البخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، شرح و تحقیق محب الدین الخطیب، ترقیم محمد فؤاد عبد الباقی، نشر و مراجعۃ: قصی محب الدین الخطیب، ط ۱، القاہرۃ: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۴۰۰ھ
- البلاذری، فتوح البلدان
- البیہقی، ابو بکر محمد بن الحسن، دلائل النبوۃ، تعلیق عبد المعطی قلعجی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۴ء
- الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ: الجامع الصحیح، تحقیق احمد محمد شاکر، مکہ مکرمہ: دار الباز (د.ت)
- ابن الجوزی، زاد المسیر فی عم التفسیر، تحقیق محمد عبد الرحمن عبد اللہ، بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۷ھ
- خالد بن حامد الحازمی، الفوائد السنیۃ من السیرۃ النبویۃ، مدینہ منورہ، دار الزمان، ۱۴۲۷ھ ۲۰۰۶ء
- الحاکم، ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، وبذیلہ التلخیص للحافظ الذہبی، اشراف یوسف عبد الرحمن المرعشلی، بیروت: درا المعرفۃ، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
- ابن حجر، احمد بن علی بن حجر العسقلانی: فتح الباری بشرح صحیح البخاری، تعلیق عبد العزیز بن باز، تبویب محمد فؤاد عبد الباقی، بیروت: دار المعرفۃ (د.ت)
- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث الازدی: سنن ابی داؤد، اعداد و تعلیق: عزت عبید الدعاس، عادل السید، ط ۲، بیروت: دار الحدیث، ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۹ء

- الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین، ط۶، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
- السعدی، عبد الرحمن بن ناصر: تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، جدۃ: دار المدنی، ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء
- ابن سعد، الطبقات الکبری، بیروت: دار صادر، ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء
- ابو الطیب آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، تحقیق عبد الرحمن محمد عثمان، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرۃ: ط۲، ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء
- الفیومی، احمد بن محمد بن علی المقری، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرفاعی، بیروت: دار القلم، (د.ت)
- ابن القیم الجوزیۃ: شمس الدین محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، تحقیق شعیب الأرنؤوط اور عبد القادر الأرنؤوط، ط۱۳، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
- ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، ط۲، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء
- ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، تحقیق احمد ابو ملحم اور دیگر، ط۱، القاہرۃ: دار الریان، ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء
- ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی (د.م) دار احیاء التراث العربی، (د.ت)
- مالک ابن انس، المؤطا، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء

- مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری: صحیح مسلم، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، القاہرۃ: دار الحدیث (د.ت)
- ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم: لسان العرب، بیروت: دار صادر (ت.ص)
- مہدی رزق اللہ احمد، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ، الریاض: مرکز الملک فیصل، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء
- النسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن النسائی، بشرح الحافظ جلال الدین السیوطی، وحاشیۃ الامام السندی، ترقیم عبدالفتاح ابوغدۃ، ط۱، بیروت: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
- النووی، محیی الدین ابوزکریا یحی بن شرف، المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء
- ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک محمد بن ہشام بن ایوب الحمیری: السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفی السقا اور دیگر، بیروت: درا القلم (د.ت)
- الھیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تحیر الحافظین العراقی وابن حجر، القاہرۃ، بیروت: دار الریان، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء
- الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، بیروت: عالم الکتب (د.ت)
- ابویعلی، احمد بن علی بن المثنی التیمی، المسند، تحقیق: حسین سلیم اسد، ط۱، دمشق: دار المامون للتراث، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء